وَ لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ

رسالۂ

القرآن والمہدی

مؤلفہ

مولانا محمد عبدالحکیم تدبیرؔ

ادارۃ العلم مہدویہ اسلامک لائبریری

چنچل گوڑہ، حیدرآباد، آندھراپردیش

سلسلہ مطبوعات ۔ ۳

نام کتاب : رسالۂ القرآن والمہدی

مصنف : مولانا محمد عبدالحکیم تدبیر

طبع : دوم

سنہ اشاعت : جون ۲۰۰۷ء م جمادی الاول ۱۴۲۸ھ

تعداد اشاعت : ایک ہزار

قیمت :

ناشر : ادارۃ العلم مہدویہ اسلامک لائبریری
عمارت مرکزی انجمن مہدویہ
چنچل گوڑہ، حیدرآباد، آندھراپردیش

ملنے کا پتہ

ادارۃ العلم مہدویہ اسلامک لائبریری

عمارت مرکزی انجمن مہدویہ

چنچل گوڑہ، حیدرآباد 500024، آندھراپردیش

فہرست عناوین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض حال

ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اور درود و سلام ہو حضور نبی اکرم ﷺ پر جنہوں نے کفر کی ظلمتوں میں اسلام کی شمع روشن کی اور درود وسلام آل محمد ﷺ پر کہ ان کی آل سے حضور امام مہدی موعود علیہ السلام کا ظہور ہوا۔

اشاعت دین وتبلیغ مذہب ہر دور کی ضرورت رہی ہے اور اسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ادارۃ العلم مہدویہ لائبریری کی جانب سے قبل ازیں دو کتابیں ''حقیقت ترک دنیا'' اور ''حقیقت ذکر'' مولفہ مفسر قرآن حضرت مولانا سید میرانجی عابد خوندمیری صاحب شائع کی جا چکی ہیں۔اب اس سلسلہ کی تیسری کتاب ''القرآن والمہدی'' مولفہ حضرت مولانا محمد عبدالحکیم مدبرؔ صاحب شائع کی جارہی ہے۔جس کی طباعت کے اخراجات امریکہ میں مقیم ایک مخیر برادر قومی نے برداشت کئے ہیں۔جس کے لئے وہ دعاؤں کے مستحق ہیں۔

آج کے اس مادہ پرستی کے دور میں تبلیغ دین کی اہمیت پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے۔خصوصاً ملت وممالک اسلامیہ کے دن بدن بگڑتے ہوئے حالات کے پیش نظر دافع ہلاکت امت محمدیہ مہدی موعود علیہ السلام کی بعثت کا شدت سے انتظار ہو رہا ہے۔بعض علماء نے عنقریب تاریخ بتلانے کا دعویٰ بھی کیا ہے جبکہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ مہدی موعودؑ کی بعثت ہو چکی ہے اب عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کا انتظار ہے۔امت مسلمہ میں یہ متفق علیہ امر ہے کہ مہدی کی بعثت برحق ہے اور ضروریات دین سے ہے۔البتہ شخصیت،وقت اور مقام کے تعین میں اختلاف ہے۔جس کی وجہ بعض موضوع احادیث اور ان کی تاویلات ہیں۔حتیٰ کہ حدیث کی کتابوں کے جدید ایڈیشن میں باب مہدی اور مہدی سے متعلق مستند احادیث کو حذف کیا جا رہا ہے جبکہ یہ تحریف وتخذیف بددیانتی کی علامت ہے۔مولانا عبدالحکیم صاحب نے نہ صرف اپنی کتاب ''رسالہ براہین مہدویہ'' میں تعین شخصی اور وقت و مقام بعثت مہدیؑ پر

مفصل ومدلل بحث کی ہے بلکہ اس کتاب میں بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔

بعض اصحاب کا یہ خیال ہے کہ اگر بعثت مہدیؑ برحق ہے تو اس کا ذکر قرآن مجید میں آنا چاہئے تھا۔ چنانچہ رسالہ ہژدہ آیات میں بندگی میاں عبدالغفور سجاوندیؒ نے ایسی اٹھارہ آیات کو پیش کیا ہے جن کا تعلق مہدیؑ اور قوم مہدیؑ سے ہے۔ زیر نظر کتاب "القرآن والمہدی" میں مولف صاحب نے آٹھ آیات قرآنی کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن حکیم میں اشارۃً و کنایۃً مہدی کا ذکر موجود ہے۔ جیسا کہ پچھلے کتب مقدسہ میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر اشارۃً و کنایۃً موجود تھا۔ یہ کتاب ادارہ شمسیہ چنچل گوڑہ حیدرآباد کے زیر اہتمام پہلی بار 1380ھ مطابق 1960ء میں شائع کی گئی تھی۔ اور حالات حاضرہ میں اس کی افادیت کے پیش نظر دوبارہ زیور طباعت سے آراستہ کیا گیا ہے۔

ہم شکر گذار ہیں جناب شیخ چاند ساجد صاحب کے جنہوں نے تصحیح و طباعت کی ذمہ داری بخوبی نبھائی ہے۔ نیز ہم شکر گذار ہیں ان صاحب خیر کے جنہوں نے اس کی طباعت کے اخراجات برداشت کئے ہیں اور ہم شکر گذار ہیں جناب سید عیسیٰ نظامی اور جناب سید پیر محمد صاحب کے جنہوں نے اس کی کمپیوٹر کتابت بحسن و خوبی انجام دی۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ تمام معاونین کو اجر عظیم عطا فرمائے اور اس کتاب کو متلاشیان حق کے لئے وسیلہ ہدایت بنائے۔ آمین

۱۴/ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ
مطابق یکم جون ۲۰۰۷ء

فقیر سید حسین میراں
منتظم ادارۃ العلم مہدویہ لائبریری

جناب عبدالجبار خان صاحب نے اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لئے ملت اسلامیہ کی سہولت کی خاطر ایک Mortuary Box ادارۂ حیات وممات مہدویہ کو فی سبیل اللہ عطیہ دیا ہے جو بی بی کیانسر اینڈ جنرل ہاسپٹل ملک پیٹ میں رکھا گیا ہے۔ برادران ملت رعایتی کرایہ پر استفادہ کرسکتے ہیں

مولوی محمد عبدالحکیم تدبیر

دکن میں جن قابل فخر ہستیوں نے جنم لیا ان میں مولوی محمد عبدالحکیم صاحب تدبیر بھی ہیں۔ ۲/ شعبان ۱۳۰۹ھ مطابق ۲/ مارچ ۱۸۹۲ء کو حیدرآباد کے ایک قدیم اور معزز گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ دارالعلوم سے منشی عالم اور مولوی فاضل کامیاب کیا۔ فقہ، تفسیر وغیرہ علوم اسلامیہ کی تکمیل حضرت بحرالعلوم علامہ سید اشرف شمسیؒ سے کی۔ شاعری میں حضرت سید جلال الدین توفیقؒ سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ بڑے اچھے شاعر تھے، طبیعت میں سنجیدگی، نہایت کم سخن، مخلص اور نیک نفس بزرگ تھے

مولانا عبدالحکیم صاحب تدبیر کے دو بھائی جناب عبدالرحیم (مدرس) اور جناب عبدالکریم (سرکاری گتہ دار) تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان تینوں بھائیوں کے خاندانی ناموں کو بدل کر یہ نام علامہ شمسیؒ نے ہی رکھے تھے۔ تینوں بھائیوں کی بیعت حضرت سید سعد اللہ سید نجی میاں صاحبؒ اہل اکیلی سے تھی لیکن بعد انتقال تجہیز و تکفین حضرت سید عطش شہاب صاحب مہدوی کے ہاتھوں ہوئی کیونکہ مولانا عبدالحکیم صاحب کے حضرت مولانا سید شہاب الدین صاحب سے بہت قریبی تعلقات تھے۔ البتہ باقی دونوں بھائی حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب اہل اکیلی سے ہی وابستہ رہے۔ مولانا عبدالحکیم صاحب لاولد تھے اس لئے ہم زلف جناب محمد منور صاحب کے فرزند محمد سالار احمد کو فرزند آغوشی بنالیا۔ حضرت سید نجی میاں صاحب اہل اکیلی کے خادم جناب محمد جمال صاحب ولد محمد سلطان صاحب تاجر جنہوں نے حظیرۂ حضرت بندگی میاں سید راج محمدؒ چنچل گوڑہ میں ۱۳۲۲ھ میں مسجد تعمیر کروائی تھی ان سے رشتہ داری تھی اور انہی کے ہڈواڑ میں دفن ہیں۔ مولانا عبدالحکیم صاحب تدبیر نے بروز جمعہ ۹/ شعبان ۱۳۹۲ھ م ۷/ ستمبر ۱۹۷۲ء کو وفات پائی۔

مولانا عبدالحکیم صاحب مدرسہ گوشہ محل میں مدرس تھے اور حیدرآباد سوشیل کالج میں اردو اور فارسی کے لکچرر تھے۔ اس کے علاوہ محلہ مسجد کے پیچھے ایک ادارہ حمیدیہ تھا جس میں منشی سے مولوی فاضل تک تعلیم ہوتی تھی اس ادارہ میں بھی درس دیا کرتے تھے جہاں سے کئی نامور علماء فارغ التحصیل

ہوئے ۔مولانا عبدالحکیم صاحب تدبیر سے متعدد اصحاب نے علمی استفادہ کیا ان میں سے چند نام اس طرح ہیں ۔حضرت مولانا سید نصرت عالم صاحب مرحوم ،حضرت مولانا سید نصرت الجہدی صاحب مرحوم ، حضرت سید نصرتؒ اہل اپل گوڑہ حضرت سید عظمن شہاب صاحب مہدوی ، جناب سید عبدالکریم یداللٰہی مرحوم اہل کڑپہ' جناب سید عبداللہ صاحب (برادر حضرت سید نصرت عالمؒ ' جناب محمد عمر خاں بہمن زئی (ادارۂ حمیدیہ) جناب محمد عباس علی خاں ڈپٹی کلکٹر (حال مقیم امریکہ)' جناب حکیم محمد عبدالوہاب خاں خالدی' جناب محمد جمال صاحب جمالؔ' جناب عبدالرحیم صاحب شفقؔ جناب عبدالغفور صاحب مرحوم خطیب مسجد افضل گنج، جناب قاضی انجم عارفی صاحب ناظر القضاۃ اور ان کے والد محترم قاضی میر لطیف علی عارف ابوالعلائی مرحوم (صاحب دیوان ریاض عارف)

مولانا عبدالحکیم صاحب تدبیر نے درس وتدریس کے علاوہ علمی خدمات بھی انجام دی ہیں ۱۳۷۵ھ میں ادارۂ شمسیہ سے ایک ماہنامہ "مہدوی" جاری ہوا تھا جس کے یہ نائب مدیر تھے ۔اس کے علاوہ حضرت علامہ سید نصرت علیہ الرحمۃ کی تصنیف "کحل الجواہر" کی تصحیح وترتیب میں ہاتھ بٹایا اور استاد محترم علامہ سید اشرف شمسیؒ کی عربی تفسیر "لوامع البیان" کے پہلے جزء کا اردو میں ترجمہ کیا ۔نیز مکمل تفسیر لوامع البیان اور علامہ شمسیؒ کے بعض دیگر تصانیف کو نقل کر کے ایک دوسرا مخلوطہ تیار کیا۔

احمد نگر میں ایک مخالف عالم کی ریشہ دوانی کی اطلاع ملنے پر حیدرآباد سے علماء کا ایک وفد احمد نگر گیا تھا جس میں مولانا تدبیر صاحب بھی شامل تھے ۔نیز قادیانیوں سے ان کا ایک مباحثہ بھی ہوا تھا

مولانا تدبیر صاحب کی دو تصانیف "رسالہ براہین مہدویہ" اور "القرآن والمہدی" کے علاوہ تفسیر لوامع البیان جزء اول کا ترجمہ زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں ۔اول الذکر رسالہ میں قرآن احادیث کے علاوہ تاریخ وجغرافیہ کی مدد سے حضرت سید محمد جونپوری کے دعوئ مہدیت کو ثابت کیا گیا ہے اور دوسری تصنیف "القرآن والمہدی" میں قرآن مجید کی آٹھ آیتوں سے بحث کرتے ہوئے امام مہدی علیہ السلام کی بعثت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے ۔مولانا کی دیگر تصانیف بھی ہیں اگر یہ تصانیف اور شاعری بھی منظر عام پر آجائے تو طالبان علم کے لئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالۂ القرآن والمہدی

حَامِداً وَّ مُصَلِّیاً ۔ اکثر مسلمان احادیث مہدی علیہ السلام کی بنیاد پر وجود مہدیؑ کے قایل ہیں۔ ان کو اگر کوئی بحث ہے تو صرف تعین شخصی میں بحث ہے۔ اس کے ساتھ ہی بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں مہدی علیہ السلام کا نہ نام ہے نہ آپ کا کوئی ذکر۔ برخلاف ان لوگوں کے بعض مسلمان ایسے بھی ہیں کہ نہ احادیث مہدی علیہ السلام کو مانتے ہیں نہ قرآن شریف میں آپ کا نام یا ذکر آنے کے قایل ہیں۔ ان کا قول ہے کہ مسئلہ مہدیت صحیح ہوتا تو قرآن شریف میں آپ کا نام اور ذکر ضرور آتا۔

حقیقت یہ ہے کہ حدیث "یواطی اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی" (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مہدی کا نام میرے نام سے اور مہدی کے باپ کا نام میرے باپ کے نام سے موافق ہوگا) کی بنا پر مہدی علیہ السلام کا نام "محمد بن عبداللہ" ہے اور لفظ "مہدی" لقب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ ہے۔ اسی وجہ سے یہ لفظ احادیث مہدی میں جابجا آیا ہے لیکن قرآن شریف میں کہیں بھی لفظ "مہدی" نہیں آیا اسی طرح نام بھی نہیں آیا۔ البتہ قرآن شریف میں آپ کا ذکر اشارات وکنایات کے ساتھ اسی طرح آیا ہے جس طرح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر توراۃ وغیرہ میں موجود و مذکور ہے۔ مثال کے طور پر توراۃ کی ایک آیت ذیل میں اس بات کا ثبوت ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ طَلَعَ مِنْ سِيْنَا وَأَشْرَقَ لَهُمْ مِنَ السَّيْعِيْرِ وَمِنْ جَبَلِ فَارَانَ تَجَلّٰى (خطبات احمدیہ)	اللہ تعالیٰ سینا سے طلوع کیا سعیر سے چمکا اور کوہ فاران سے تجلی کیا۔

توراۃ کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے "سینا" سے طلوع کرنے سے مراد موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہے اور سعیر سے اللہ تعالیٰ کے چمکنے سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور اور اللہ تعالیٰ کے کوہ فاران سے تجلی کرنے کا مطلب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہے۔

اسی طرح کتاب حبقوق باب (۳) آیت (۳) کے الفاظ ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

یاتی اللّٰه من جنوب (یتمان) وَالْقُدُّوْسُ مِنْ جَبَلِ فَارَانَ ۔ (خطبات احمدیہ)	اللہ تعالیٰ جنوب (تیمان) سے اور قدوس کوہ فاران سے آئے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئی خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب خاص کے جاہ وجلال کو ظاہر کرنے کے لئے خاتم الانبیا کے ظہور کو اپنا ظہور قرار دیا ہے۔

اسی طرح ملاکانی کی کتاب کے باب (۳) میں لکھا ہے "جس خداوند کے تفحص میں ہو یعنی رسول عہد کے وہ اپنی ہیکل میں آئیگا"۔ اس آیت میں خداوند کے معنی خدائے تعالیٰ کے ہیں اور مراد اس سے رسول عہد ہیں۔ (خطبات احمدیہ)

آیات مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ بتا کر اشارہ وکنایہ میں پیشین گوئی کرنا ایک قدیم سنت اللہ ہے جس کا مقصد ابتلایا آزمائش ہے کہ کون لوگ ایسے ہیں جو اپنی ایمانی قوت سے غور وخوض کر کے خلفاء اللہ کی تصدیق کرتے ہیں اور کون لوگ ایسے ہیں جن میں گمراہی کا مادہ بدرجہ اتم ہوا کرتا ہے وہ ظاہر الفاظ پر اڑے رہکر خلفاء اللہ کی تصدیق سے محروم رہتے ہیں۔

توراۃ وغیرہ میں اشارات وکنایات سے خلفاء اللہ کی پیشین گوئی کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے اسی طریقہ سے امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا ذکر قرآن شریف میں بھی کیا گیا ہے (ارباب بصیرت کو اختیار ہے کہ وہ ایمانی قوت سے غور وخوض کر کے امام مہدیؑ کے ظہور کو ضروری تسلیم کریں یا اپنی ضد پر اڑے رہکر انکار کریں۔

آیات قرآنی کی تفسیر آئندہ ملاحظہ ہو۔

سطحی نظر سے بھی غور کیا جائے تو آیاتِ استخلاف سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ میں بھی خلفاء کو پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جس طرح امت محمدیہ سے پہلے کے زمانہ میں پیدا کیا ہے۔ آیاتِ استخلاف میں جہاں عمومیت کے ساتھ خلفاء کا ذکر کیا گیا ہے اس میں امام مہدیؑ بھی خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے شامل سمجھے جاسکتے ہیں۔ آیت استخلاف یہ ہے۔

وعداللّٰہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکّنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم (النور ۵۵)	جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ضرور ان میں سے دنیا میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو خلیفہ بنایا ہے اور ضرور انکے اس دین کو جوان کیلئے پسند کیا ہے استحکام دے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین صالحین سے ایک تو یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ان میں سے بعض کو ایسا ہی خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو خلیفہ بنایا ہے دوسرا وعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انکے دین (اسلام) کو جو ان کے لئے پسند کیا ہے استحکام دے گا۔

پسندیدگی دین کے اعتبار سے اس آیت کا سیاق بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ آیت "اکملت لکم دینکم" میں ذکر کیا گیا ہے چنانچہ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

الیوم اکملت لکم دینکم . و اتممت علیکم نعمتیو رضیت لکم الا سلام دینا.	آج میں نے تمھارے لئے تمھارے دین کو بہت کامل کر دیا اور میری نعمت تم پر کامل کر دی اور میں نے تمھارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔

آیت استخلاف میں جس دین کو مستحکم کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ دین اسلام کے سوا کوئی اور نہیں اور یہ دین بھی وہی اسلام ہے جس کا ذکر " اکملت لکم دینکم" میں آیا ہے جیسا کہ "ورضیت لکم الاسلام دینا" سے ظاہر ہے۔ دونوں آیتوں کو ملانے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لئے جس دین کو پسند کیا ہے وہ دین اسلام ہے اور امت محمدیہ کے لئے جس دین کو مستحکم بنانے کا وعدہ کیا اور جس کو اس کے لئے پسند کیا ہے وہ بھی دین اسلام ہے۔ کیونکہ آیت " اکملت لکم دینکم" میں "ورضیت لکم الاسلام دینا" کی صراحت آئی ہے تو آیت استخلاف میں "ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم" کے الفاظ ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ دین کامل کے لئے استحکام کی ضرورت ہے یا نہیں جیسا کہ "لیمکنن" کے مفہوم سے ظاہر ہے بہت ساری احادیث سے ثابت ہے آیندہ زمانوں میں بے دینی اور ارتداد کے واقعات رونما ہوں گے۔

خاص طور پر حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زار زار روتے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو کیا چیز زار زار کر دی ہے آپ نے فرمایا کہ میں کیوں نہ روؤں کہ میری امت پر ایسے زمانے آئیں گے کہ اس میں اسلام مفقود ہو جائیگا لوگ صوم صلوٰۃ اور زکوٰۃ ترک کر دیں گے ناپ تول میں نقصان کیا جائیگا۔ لوگ جھوٹی گواہی دیں گے۔ فحش باتوں کا افشا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ دین اسلام کا فقدان آئندہ زمانوں میں ہونے والا ہے تو پھر دین کامل کے استحکام کی بھی ضرورت خلفاء کے ذریعہ لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام میں علما کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا گیا ہے۔ اور اولیاء اللہ بھی ہمارے ہادی اور رہبر ہیں نصرت دین کے لئے بحیثیت خلفاء اللہ مہدی موعود اور عیسیٰ علیہما السلام کے آنے کی خبر دی گئی ہے کہ اپنے معینہ اوقات میں مبعوث ہوں گے۔

آیت " جعلکم خلفاء وامراء" سے ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے خلفاء امراء آچکے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

الخلافۃ ثلثون سنۃ ثم بعدہ ملک" یعنی خلافت تیس سال رہے گی اس کے بعد ملک (بادشاہت) ہو جائے گا۔

یہ صورت بالکل آیت "وجعلکم خلفاء وامراء" کی ہے کیونکہ امت محمدیہ میں خلفائے راشدین مسلمانوں کے امام وقت تھے اور ان حضرات کے زمانہ میں اسلام جس رشد و ہدایت کے ساتھ روشناس ہوا تاریخ گواہ ہے یہ سب خلفاء تھے ان کے بعد بادشاہان بنی امیہ اور بنی العباس کی مثال بالکل امراء کی سی ہے۔ آیت استخلاف سے ظہور مہدی علیہ السلام اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کا اشارہ بھی نکل سکتا ہے کیونکہ احادیث میں ان ہر دو حضرات کو خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے۔

جو لوگ احادیث مہدی کے مخالف ہیں ان کے پاس بظاہر دو وجوہ پائے جاتے ہیں ایک تو یہ کہ بعض لوگوں نے احادیث مہدی کو موضوعات سے قرار دیا ہے ان کا قول ہے کہ یہ احادیث مہدی عباسی کی خوشامد کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ بعض رواۃ احادیث میں ضعف پایا جاتا ہے۔ پہلی وجہ اس وجہ سے غلط ہے کہ مہدی عباسی اولاد حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ہے اور

احادیث مہدی میں مہدی علیہ السلام کی نسبت اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہونیکی صراحت آئی ہے۔ اگر واضعین نے احادیث مہدی وضع کی ہیں تو مہدی عباسی کو مہدی فاطمی سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے اسلئے ثابت ہوا کہ احادیث مہدی وضعی (گھڑی ہوئی) نہیں ہیں۔

دوسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ احادیث مہدی کی تعداد جس طرح کہ عقد الدرر فی علامات المہدی المنتظر اور رسالہ المہدی مولفہ ملا علی القاری وغیرہ میں درج ہے تقریباً تین سو ہے اس کثرت احادیث کی وجہ سے علماے اسلام تواتر معنوی کے قایل ہیں۔ اور تواتر کا انکار کسی طرح جائز نہیں۔ تواتر تسلیم کر لینے کے بعد انفرادی طور پر ہر حدیث کے ضعف رواۃ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو لوگ احادیث مہدی کو مانتے نہیں وہ بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان کو اپنے غلط خیال کی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

اگرچہ قرآن شریف میں مہدی علیہ السلام کا نام صاف طور پر کہیں بھی نہیں آیا مگر متعدد آیات قرآنی میں آپ کا ذکر کنایات واشارات کے طور پر اسی طرح آیا ہے جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر توراۃ وغیرہ میں موجود ہے۔

ہمارا یہ رسالہ جس کا نام "القرآن والمہدی" ہے ہم نے اس میں بطور نمونہ آٹھ قرآنی آیات پیش کی ہیں جن میں کنایات واشارات کے طور پر مہدی علیہ السلام کا ذکر قطع و یقین کیساتھ موجود ہے تاکہ جو لوگ اس بات کے قایل ہیں کہ قرآن میں مہدی علیہ السلام کا ذکر نہیں آیا ہے وہ اپنی غلط فہمی دور کر سکیں واللہ المستعان و علیہ التکلان و ماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم فقط

محمد عبدالحکیم حیدرآبادی

(منشی فاضل و مولوی عالم)

پہلی آیت قرآنی

ان الدین عند اللّٰہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاء ھم العلم بغیا بینھم ومن یکفر بآیات اللّٰہ فان اللّٰہ سریع الحساب. فان حآجوک فقل اسلمت وجھی للّٰہ ومن اتبعن. (پارہ ۳ رکوع ۱۰) آل عمران ۱۹۔۲۰

ترجمہ۔ دین خدا کے نزدیک اسلام ہے اہل کتاب نے جو (اس دین سے) خلاف کیا تو علم حاصل ہو جانے کے بعد اور آپس کی ضد سے کیا۔ جو شخص خدا کی آیتوں کا انکار کرے تو خدا (اس سے) جلد حساب لینے والا ہے۔ اے پیغمبر اگر یہ لوگ تم سے جھگڑا کریں تو کہدو کہ میں نے اللہ کے سامنے سر کو جھکا دیا ہے اور وہ شخص بھی جو میرا تابع ہے۔

مفسرین کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے تمام انبیائے سابقین کا مذہب بھی یہی تھا اور انھوں نے اسی دین اسلام کی تبلیغ کی۔ ان کے بعد یہودی اور عیسائی باہم لڑنے جھگڑنے لگے کوئی تو توحید اور اسلام پر قایم رہا اور کسی نے دین حق سے روگردانی اختیار کی۔ یہ تفرقہ اس لئے نہ تھا کہ انھیں توحید اور اسلام کا علم نہ تھا علم تو ضرور تھا اور انبیائے سابقین نے اسکی تبلیغ بھی کی تھی۔ اب آپس کے حسد اور شیطانی وسواس نے ان کو دین حق سے روگردانی پر آمادہ کیا۔ جس کی وجہ سے انھوں نے اسلام سے انکار کیا۔ جو شخص خدا کی آیتوں سے انکار کرے تو وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ اے پیغمبر اگر آپ سے یہود و نصاری اور مشرکین جھگڑا کریں تو کہدو کہ میں نے اور میرے تابع نے وہی اسلام اختیار کیا ہے جس کی نسبت ان الدین عند اللّٰہ الاسلام (یعنی دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے) کہا گیا ہے جس پر تمھارے تمام انبیائے سابقین قایم تھے اور اسی کی تبلیغ کی تھی۔

اس آیت میں بحث طلب مسئلہ لفظ "من" ہے جو عام بھی ہوتا ہے اور خاص بھی۔ عام تسلیم کرنے کی صورت میں اس سے مراد عام مومنین ہوں گے اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین خواہ وہ کسی درجے کے کیوں نہ ہوں خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیائے سابقین کیساتھ اسلام لانے میں یکساں شمار کئے جا سکتے ہیں حالانکہ عام مومنین کے اسلام اور انبیاء

علیہم السلام کے اسلام میں بہت بڑا فرق ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

اسلام کا لفظ جس طرح عام مسلمانوں کی نسبت بولا جاتا ہے اسی طرح اولیائے کاملین و انبیائے مرسلین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی بولا جاتا ہے اور بلحاظ علم و عمل یقین و معرفت و رویت باری تعالیٰ کے بعض کا اسلام بعض سے اَقْوٰی وَاَتَم (مضبوط ترین اور کامل ترین) ہوسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانی کا مدار شہادتین یعنی اللہ کو وحدہ لاشریک جاننے پر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے اور اس پر اعتقاد رکھنے اور اعتقاد کے موافق عمل کرنیکے لحاظ سے کئی درجے ہیں۔

فرض کرو کہ ایک شخص اللہ کی وحدانیت کا اقرار لا الہ الا اللّٰہ کے ذریعہ کرتا ہے مگر دل میں اعتقاد نہیں رکھتا۔ دوسرا شخص اقرار بھی کرتا ہے اور اعتقاد بھی رکھتا ہے مگر اعتقاد کے موافق عمل نہیں کرتا۔ تیسرا وہ شخص ہے جو اقرار و اعتقاد کے موافق عمل بھی کرتا ہے یہ تینوں اشخاص ایک ہی درجہ کے نہیں ہیں پہلے سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا شخص اسلام لانے میں اَقْوٰی و اَتَم ہوگا۔

صوفیا کے مذہب کی بناء پر مراتب توحید اس سے بھی اعلیٰ ہیں ان کے پاس موحد وہی ہے جو اللہ کے سوا کسی پر توکل یا بھروسہ نہ کرے آیت وعلى اللّٰه فليتوكل المومنون (مومنین اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں) اس پر دال ہے۔

صوفیا کے پاس علم الیقین بھی کافی نہیں ہے وہ عین الیقین چاہتے ہیں۔ اس سے بھی اعلیٰ مقام توحید ذاتی میں ذات احدیت موصوف بجمیع صفات میں فنا حاصل کرکے کسی خاص صفت یا کسی اسم کا مقید نہ ہونا یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے تقید و اطلاق کے اعتبار سے ان دونوں مقامات میں پہلا مقام بشرط تقید انبیاء علیہم السلام کا دوسرا مقام بشرط اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ (تلخیص از تنویر الابصار)

خلاصہ یہ کہ عام مومنین سے اولیاء اللہ اور اولیاء اللہ سے صحابہ اور صحابہ سے پیغمبروں کا اور پیغمبروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام ارفع و اعلیٰ ہے اس لئے آیت میں متبعین سے مراد عام مومنین لئے جائیں تو عطف صحیح نہ ہوگا۔ چونکہ معطوف اور معطوف علیہ ایک حکم میں ہوتے ہیں اس لئے اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مومنین کا اسلام برابر ہے

جو خلاف عقل ہے۔ اس لئے لفظ "من" خاص ہے اور اس سے مراد ایک ایسی ذات اقدس ہونا چاہیئے کہ معطوف و معطوف علیہ دونوں ایک منزل میں آجائیں۔

چونکہ مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح خلیفۃ اللہ معصوم عن الخطا دین کے قایم کرنےوالے دافع ہلاکت امت اور خاتم ولایت محمدیہ ہیں اور حضرت محی الدین ابن عربی نے فتوحات میں آپ کو ملحق بالانبیا اور علم سکوتی میں رسول اللہ صلعم اور امام علیہ السلام کو یکساں طور پر شمار کیا ہے اس لئے لفظ "من" کو اس آیت میں خاص تسلیم کرکے امام مہدیؑ مراد لینا قریب الصحت (زیادہ درست) ہوگا۔

امام مہدی علیہ السلام کا خلیفۃ اللہ ہونا حدیث ثوبانؓ سے ظاہر ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

<table>
<tr>
<td>عن ثوبانؓ قال قال رسول اللّٰه صلعم يقتتل عند كنزكم ثلاثة كلهم ابن خليفة لا يصير الىٰ احدمنهم ثم تطلع الرايات السود من قبل المشرق فيقتلو نكم قتلالَم يقتله قوم ثم يجئى خليفةاللّٰه المهدى فاذاسمعتم به فاتوه فبايعوه ولوحبواُعلى الثلج.(ابن ماجه.حاكم.ابو نعيم)</td>
<td>ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ تمہارے کنز یعنی خلافت کے لئے تین آدمی جھگڑا کریں گے وہ سب خلیفہ کے بیٹے ہوں گے ان میں سے کسی کو خلافت نہیں ملے گی پھر سیاہ جھنڈیاں مشرق کی طرف سے نکلیں گی تو تم کو یعنی مسلمانوں کو ایسا قتل کریں گے کہ کوئی قوم اس طرح قتل نہ کی ہوگی پھر اللہ کے خلیفہ مہدیؑ آئیں گے تم ان کو سنو تو ان کے پاس آو ان سے بیعت کرو اگرچہ برف پر سے رینگتے جانا پڑے۔</td>
</tr>
</table>

اس طرح ایک اور حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی آئی ہے جسکو ابن شیبہ نے لکھا ہے۔

<table>
<tr>
<td>قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يخرج المهدى وعلى راسه ملك ينادى هذاالمهدى خليفة اللّٰه فاتبعوه.</td>
<td>ابن عمرؓ کہتے ہیں کے رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ مہدی اس حالت میں ظہور کریں گے کہ فرشتہ آپ کے اوپر سے ندا کرے گا یہ مہدی خلیفۃ اللہ ہیں تم ان کی اتباع کرو۔</td>
</tr>
</table>

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مہدی علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ

فرمایا ہے۔

اگر چہ خلیفۃ اللہ کا معصوم عن الخطا ہونا عقلاً ثابت ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ہدایت کا کام خطا سے خالی نہ ہوگا تاہم ایک حدیث مرفوع ہے۔جس کو حضرت محی الدین ابن عربی نے فتوحات میں بیان کیا ہے مہدی علیہ السلام کا معصوم عن الخطا ہونا ثابت ہے۔

المھدی منی یقفو اثری ولا یخطی.	رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ مہدی مجھ سے ہیں وہ میرے نشان قدم کی پیروی کریں گے خطا نہ کریں گے۔

مہدی علیہ السلام کے قیام دین کی حدیث یہ ہے۔جس کو ابو نعیم اصفہانی نے لکھا ہے۔

یقوم بالدین فی آخر الزمان کماقمت بہ اول الزمان او فی اول الاسلام.	رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ مہدی آخر زمانہ میں اسی طرح دین کو قایم کریں گے جس طرح میں نے اسکو اول زمانہ یا اول اسلام میں قایم کیا ہے۔

واقع ہلاکت امت کی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ امام مہدی وعیسیٰ علیہما السلام کا ذکر بھی آیا ہے جیسا کہ ذیل کی تفصیلات سے معلوم ہوگا۔

ابو نعیم نے اخبار مہدی میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔

لن تھلک امۃ انا فی اولھا و عیسیٰ فی آخرھا والمھدی فی وسطھا.	وہ امت ہرگز ہلاک نہیں ہو سکتی جس کے اول میں ہوں اور عیسیٰ اسکے آخر میں مہدی اسکے وسط میں ہیں۔

ابن عساکر نے روایت کی ہے۔

کیف تھلک امۃ انا فی اولھا و عیسیٰ بن مریم فی آخرھا والمھدی من اھل بیتی فی وسطھا.	کیونکر ہلاک ہوگی وہ امت جسکے پہلے میں ہوں اور عیسیٰ بن مریم اسکے آخر میں اور مہدی میرے اہل بیت سے اسکے وسط میں ہیں۔

تفسیر مدارک میں آیت انی متوفیک و رافعک الیّ کے تحت یہ حدیث لکھی ہے۔

کیف تھلک امۃ انا فی اولھا و عیسیٰ فی آخرھا والمھدی من اھل بیتی فی وسطھا.	کیونکر ہلاک ہوگی وہ امت۔جس کے اول میں ہوں اور عیسیٰ اسکے آخر میں اور مہدی میرے اہل بیت سے اسکے وسط میں ہیں۔

امام جعفرؓ سے جو روایت مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن جعفر ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کیف تھلک امۃ انا فی اولھا و المھدی فی وسطھا والمسیح آخرھا. ولکن بین ذالک فیج اعوج لیسوا منی ولا انا منھم. رواہ رزین.	حضرت امام جعفرؓ اپنے باپ سے وہ دادا کی روایت سے کہتے ہیں وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کے اول میں ہوں اور اس کے درمیان مہدی اور مسیح اسکے آخر میں ہیں۔لیکن ان کے درمیان ایسی کج فہم جماعت ہے جو نہ میری ہے نہ میں اس کا ہوں۔

یحییٰ بن عبداللہ بن حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے بہت سی باتیں فرمائیں انہی میں سے یہ بھی فرمایا کہ

یا علی کیف تھلک امۃ انا فی اولھا و مھدینا فی وسطھا والمسیح ابن مریم آخرھا.	اے علی وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کے اول میں ہوں اور ہمارے مہدی اسکے وسط میں اور مسیح ابن مریم اس کے آخر میں ہیں۔

یہ سب احادیث متحد المعنی تقریباً متحد اللفظ بھی ہیں اگر چہ ابتدائی تین حدیثیں مرفوع نہیں معلوم ہوتیں لیکن یہ الفاظ کہ 'انا اولھا' "من اھل بیتی' کی نسبت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو سکتی ہے اس لئے یہ احادیث معنی مرفوع ہیں آخری دو حدیثیں تو بالکل مرفوع ہیں۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا والمرسلین ہیں اسی طرح مہدی علیہ اسلام خاتم الاولیا و خاتم ولایت محمد یہ ہیں جیسا کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے جناب رسالت مآب صلعم سے دریافت کیا کہ "امنا المھدی ام من غیرنا یعنی مہدی ہم میں سے ہیں یا ہمارے غیر سے۔حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا "بل منا یختم اللہ بہ الدین کما فتحہ بنا" (بلکہ مہدیؑ ہم میں سے ہیں اللہ تعالی ان پر دین کو ختم کرے گا جس طرح ہم سے (دین کو) شروع کیا ہے)

ابو القاسم الطبری۔ابو نعیم اصفہانی۔عبدالرحمٰن بن حاتم۔ابو عبداللہ نعیم بن حماد وغیرہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

حضرت محی الدین ابن عربی نے فتوحات کے باب (۳۶۶) میں مہدی علیہ السلام کو متعلق

بالانبیاقرار دیا ہے اس کی عربی عبارت یہ ہے۔

قد اخبر علیه السلام عن المهدی انه لا یخطی وجعله ملحقاً بالا نبیاء.	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدیؑ کی نسبت معصوم عن الخطا ہونے کی خبر دی ہے اور آپ کو ملحق بالانبیا قرار دیا ہے۔

فصوص الحکم میں حضرت محی الدین ابن عربی نے بیان کیا ہے کہ علم سکوتی حضرت خاتم الانبیا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتم الاولیا یعنی امام مہدی علیہ السلام کی خصوصیات سے ہے کتاب مذکور کی عبارت یہ ہے۔

فمنّامن جهل فی علمه فقال والعجزعن درک الادراک ادراک و منّا من علم ولم یقل بمثل هذا وهوا علی القول بل اعطاه اللّٰه علم السکوت کما اعطاه العجز وهو ا علی عالم باللّٰه ولیس هذاالعلم بالاصالة الالخاتم الرسل و خاتم الاولیاء وما یراه احد من الانبیاء والرسل الا من مشکوٰة الرسول الخاتم ولا یراه احد من الاولیاء الا من مشکوٰة الولی الخاتم حتی ان الرسل لا یرونه متی رأوه الّا من مشکوٰة خاتم الاولیاء.	ہم میں بعض وہ ہیں جو اپنے علم میں جاہل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ادراک سے عجز کا اظہار بھی ادراک ہے۔ اور ہم میں بعض وہ ہیں جو جان کر بھی ایسا نہیں کہتے اور یہ باعتبار قول اعلیٰ ہے بلکہ خدا اس کو علم سکوتی عطا کیا ہے جیسا کہ پہلے کو عجز عطا کیا ہے اور یہی بڑا عالم باللہ ہے اور یہ علم سکوتی سوائے خاتم الرسل اور خاتم الاولیاء کے کسی کو حاصل نہیں ہے اور انبیاء ورسل سوائے مشکوٰۃ خاتم الرسل کے اللہ کو نہیں دیکھتے اسی طرح اولیاء میں سے کوئی بھی ولی خاتم کی مشکوٰۃ کے بغیر اللہ کو نہیں دیکھتا یہاں تک کہ انبیاء اولیاء بھی جب کبھی خدا کو دیکھیں گے مشکوٰۃ خاتم الاولیا سے دیکھیں گے۔

اس عبارت سے رسول اللہ صلعم کی طرح مہدی علیہ السلام کو بھی علم سکوتی حاصل ہونا ظاہر ہے اور علم سکوتی رکھنے والا سب سے بڑا عالم باللہ ہوتا ہے اولیا ءاللہ حتیٰ کہ انبیا ورسل بھی خدا کو دیکھیں گے تو مشکوٰۃ خاتم الاولیا سے دیکھیں گے جو خاتم الانبیا کا باطن ہے۔

شرح فصوص الحکم میں فتوحات کے حوالہ سے یہ بتایا گیا ہے کہ مہدی علیہ السلام تابع

شریعت محمدیہ ہوتے ہوئے آپکا باطن رسول اللہ صلعم کا باطن ہے اسلئے تمام انبیاء واولیا امام مہدیؑ کے تابع ہیں کتاب مذکور کی عبارت یہ ہے۔

المهدی الذی یجئی فی آخرالزمان فانه فی احکام الشریعة یکون تابعاً لمحمد فی المعارف والعلوم والحقیقة و یکون جمیع الانبیاء والاولیاء تابعین له ولا ینا قض ما ذکرناه لان باطنه باطن محمد صلی اللّٰه علیه و سلم.	مہدی جو آخر زمانہ میں آئیں گے وہ احکام شریعت۔ معارف علوم اور حقیقت میں تابع محمدؐ ہیں اور تمام انبیاء واولیا آپ کے تابع ہوں گے یہ تابع ہونے کا ذکر نقص نہیں پیدا کرتا کیونکہ باطن مہدی رسول اللہ صلعم کا باطن ہے

اس بحث کے علاوہ قرآنی نظم کلام کا اقتضا یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلعم اور آپ سے پہلے انبیا علیہم السلام کا اسلام ارفع واعلیٰ ہے اسی طرح رسول اللہ صلعم کے بعد آنے والی ذات اقدس کا اسلام بھی ارفع واعلیٰ ہونا چاہئے اس لئے اس آیت میں "من" کو خاص تسلیم کرکے اس سے مراد امام مہدی علیہ السلام لینا ہی قریب الصحت ہوگا ورنہ لفظ من کو عام قرار دیکر عام مومنین مراد لینا جن کا اسلام اولیا ءاللہ سے بھی کم درجہ کا ہوتا ہے قرآنی نظم کلام کے خلاف ہے۔

جب یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ مہدی علیہ اسلام کا باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہے اور اس لحاظ سے تمام انبیا واولیا کا مہدی علیہ السلام کے تابع ہونا متناقص نہیں ہے تو اس آیت زیر بحث میں رسول اللہ صلعم کے اسلام کے ساتھ مہدی علیہ السلام کے اسلام کا ذکر ہونا ہی واجب التسلیم ہوسکتا ہے نہ کہ عام مومنین کے اسلام کا ذکر۔

اس آیت زیر بحث میں "من" کا لفظ جس کے معنی وہ شخص کے ہیں ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قول میں آیا ہے۔

میں اسکی آواز ہوں جو بیابان میں پکارتا ہے کہ خدا کا راستہ سیدھا کرو" (خطبات احمدیہ)

جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے قول میں لفظ "اس" سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا ہے اسی طرح اس آیت زیر بحث میں "مَن" سے مراد مہدی علیہ السلام ہیں۔

اگر یہاں اعتراض کیا جائے کہ "من اتبعن" میں اتبع فعل ماضی ہے اور امام مہدی علیہ السلام بلاشک آئندہ زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی علامات کے موافق مبعوث ہوں گے تو اس صورت میں فعل ماضی کو فعل مستقبل کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے توریت میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی میں " واشرق لهم من السعير " کے الفاظ آئے ہیں یعنی خدا سعیر سے چمکے گا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں " و من جبل فاران تجلی " "یعنی خدا کوہ فاران سے تجلی کیا حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ایک عرصہ بعد اور رسول اللہ صلعم عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے ہیں جب " اشرق " اور " تجلی " کے الفاظ ماضی کے صیغے ہونے کے باوجود ان سے زمانہ استقبال کے معنی لئے جاتے ہیں تو " اِتَّبَعَ " کے لفظ سے جو ماضی کا صیغہ ہے مستقبل کے معنی لینے میں کون امر مانع ہے۔

بہر حال فَاِنْ حَآجُّوکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَن کا صحیح مطلب یوں ہے کہ اے پیغمبر اگر تم سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین جھگڑا کریں تو کہدو کہ میں انبیاء سابقین کی طرح اسلام لایا ہوں اور وہ شخص بھی اسی طرح اسلام لائے گا جو میرا تابع ہے۔

لہٰذ "من" کا لفظ یقیناً خاص ہے اور اس سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار.

دوسری آیت قرآنی

یا ایها النبی حسبک اللّٰہ و من اتبعک من المومنین۔(الانفال ۶۴)

(ترجمہ) اے نبی تم کو اور اس شخص کو جو تمھارا تابع مومنین سے ہے اللہ تعالیٰ (مدد کیلئے) کافی ہے۔

یہ آیت سورۂ انفال میں ۵ رکوع پر آئی ہے اور غزوۂ بدر کے قتال سے پہلے نازل ہوئی ہے پوری آیت یہ ہے۔

و ان جنحو اللسلم فا جنح لها و تو کل علی اللّٰہ انه هو السمیع العلیم.

و ان یرید وا ان یخدعوک فانّ حسبک اللّٰہ هو الذی ایّدک بنصره و بالمومنین . و الف بین قلوبهم لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبهم ولکن اللّٰہ الف بینهم انه عزیز حکیم. یا ایها النبی حسبک اللّٰہ ومن اتبعک من المومنین (پاره ۱۰ رکوع ۵).(الانفال ۶۱.۶۴)

اس آیت کی نسبت مفسرین کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کفار تم سے خوف زدہ ہو کر صلح کی طرف مائل ہوں تو تم صلح کر لو کوئی اندیشہ نہ کرو اللہ پر بھروسہ رکھو وہ سننے والا جاننے والا ہے (اگر کفار تم سے صلح کر کے اندرونی طور پر تیاری جنگ میں معروف ہو جائیں) تم کو دھوکا دینا چاہیں تو خدائے تعالیٰ تم کو کافی ہے جس نے اپنی مدد اور مومنین کے ذریعہ تم کو تقویت دی ہے اور مسلمانوں کے دل میں الفت پیدا کر دی اگر تم اس دنیا کا تمام سرمایہ خرچ کر دیتے تم ان کو باہم نہ ملا سکتے لیکن خدا نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی وہ غالب حکمت والا ہے۔ اے نبی اللہ تعالیٰ اور متبعین مومنین تمہاری مدد کیلئے کافی ہیں۔

اس تفسیر کا آخری فقرہ کہ "اے نبی اللہ تعالیٰ اور متبعین مومنین تمھاری مدد کیلئے کافی ہیں۔" قرین قیاس نہیں ہو سکتا اس کا صاف مطلب یہی ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ متبعین مومنین کی مدد بھی شامل ہے گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے مقابلہ میں نہ صرف اللہ کی مدد سے کامیاب ہوتے ہیں بلکہ اللہ کی مدد کے ساتھ متبعین مومنین کی مدد بھی شامل ہوگی جس سے شرک حقیقی کا پہلو صاف طور پر نمایاں ہو جاتا ہے۔

اس آیت سے پہلے " فانّ حسبک اللّٰہ هو الذی ایدک بنصره و بالمومنین سے بظاہر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے اپنی مدد اور مومنین کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت دی ہے تو اس سے خدا کی مدد میں مومنین کا ذریعہ بھی شریک ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا مسبب الاسباب ہے وہ جس ذریعہ سے کام لینا چاہتا ہے لیتا ہے اسکا ارشاد ہے " یفعل مایشاء وما یرید وہ جو چاہتا ہے اور اس کا جو ارادہ ہوتا ہے کرتا ہے۔ اگر خدا نے اپنی مدد سے نبی کو مدد دی ہے تو یہ اس کی خالص اور غیبی مدد ہے اور اگر مومنین کو نبی کی قوت کا ذریعہ بنایا ہے تو یہ ایک سبب ظاہر یا ظاہری مدد ہے اس آیت میں "بنصره" سے غیبی مدد اور بالمومنین سے ظاہری مدد مراد ہے

اوراس مدد کے اصل فاعل مومنین نہیں ہیں بلکہ اس کا فاعل حقیقی ومختار بھی خدائے تعالیٰ ہی ہے۔

برعکس اسکے حسبک اللّٰہ و من اتبعک من المومنین کا ترجمہ اس طرح کرنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اور مومنین کی مدد کافی ہے اس میں بلحاظ ترکیب نحوی نہ صرف لفظ اللہ فاعل ہوتا ہے بلکہ اس کیساتھ مومنین بھی فاعل ہوجاتے ہیں اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ مومنین کی مدد بھی شامل ہوکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔اس لئے ایسا ترجمہ کسی طرح مناسب نہیں۔

قرآن شریف میں بعض آیات ایسی ہیں جن میں " حسبی اللّٰہ " کے الفاظ موجود ہیں اوران میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ کسی اور کی مدد شامل ہونے کا شائبہ تک نہیں ہے۔

فان تولو افقل حسبی اللّٰہؗ لا الہ الاھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم (پارہ ۱۱ رکوع ۵) (التوبہ ۱۲۹)	پس اگر وہ نہ مانیں تو اے محمدؐ کہدو کہ مجھکو اللہ تعالیٰ کافی ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اللہ پر بھروسہ کیا ہے اوروہ رب عرش عظیم ہے
ایضاً قل حسبی اللّٰہ علیہ یتوکل المتوکلون. (پارہ ۲۴۔رکوع ۱)(الزمر ۳۸)	کہدو اے محمدؐ کہ مجھکو اللہ تعالیٰ کافی ہے اسی پر متوکلین کا بھروسہ ہے۔

ان آیات میں رسول اللہ صلعم کو خدا کی طرف سے یہ کہنے کا حکم ہوا ہے کہ مجھے اللہ کی مدد کافی ہے۔

اور ذیل کی ہر ایک آیت میں قل یا محمد کے الفاظ محذوف ہیں۔

و من یتو کل علی اللّٰہ فھوحسبہ۔ (پارہ ۲۸ رکوع ۱۷)(الطلاق ۳)	جو شخص اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہے۔
ایضا.فزادھم ایما نا قالوا حسبنا اللّٰہ (پارہ ۴ رکوع ۹)(آل عمران ۱۷۳)	اللہ نے ان کے ایمان کو زیادہ کردیا انھوں نے کہا کہ ہم کو اللہ کی مدد کافی ہے۔

اس آخری آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے مسلمانوں سے آکر کہا کفار قریش بڑی فوج جمع کررہے ہیں ۔مسلمانوں کو اس خبر سے کوئی خوف پیدا نہیں ہوا بلکہ خدا نے ان کا ایمان اور زیادہ کردیا وہ یہ کہہ اٹھے کہ ہم کو خدا کی مدد کافی ہے۔

بہرحال اس قسم کی تمام آیتوں میں بلا شرکت غیرے خالص خدا کی مدد کا ذکر موجود ہے

جب اللہ تعالیٰ کی مدد بلا شرکت غیرے رسول اللہ صلعم کے لئے کافی ہے تو "حسبک اللّٰہ ومن اتبعک من المومنین " کا ترجمہ اس طرح کیوں کیا جائے جس سے خدا کی مدد خالص نہ رہے اور خدا کی مدد کے ساتھ مومنین کی مدد کا شائبہ پیدا ہو کر نبی صلعم کو کفار کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہو جس سے شرک حقیقی کا پہلو نمایاں ہوجائے۔

بجائے ایسا ترجمہ کرنے کے ایسا ترجمہ کیا جائے کہ "اے نبی تم کو اور تمھارے اصحاب کو جو متبعین مومنین ہیں کفار کے مقابلہ میں اللہ کی مدد کافی ہے" تو پھر بھی ایک بات تھی یہ ترجمہ مولوی فتح محمد صاحب جالندھری کا ہے۔ہمارے خیال میں یہ ترجمہ بھی غزوہ بدر کے خاص موقع کے لحاظ سے قریب الصحت نہیں ہوسکتا کیونکہ جب خدا نے نبی صلعم کی مدد کو کافی ہونے کی بشارت دی ہے تو اس میں وہ تمام مومنین بھی شامل ہوسکتے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور کامیابی حاصل کی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خالصۃً بشارت دیدینے کے معنی ٹھیک ایسے ہیں جیسے کوئی شخص کہے کہ فلاں نیک دل اور نیک سیرت بادشاہ کو خدائے تعالیٰ کامیابی یا فتح مندی عطا کرنے کے لئے کافی ہے اس میں بادشاہ کے ساتھ فوج کی فتحمندی بھی شامل رہے گی کیونکہ محض بادشاہ بہ نفس نفیس فتح حاصل نہیں کرسکتا تاوقتیکہ فوج کو بھی کامیابی نہ ہو۔اسی طرح یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی مدد حاصل ہونے میں اصحاب رسول اللہ صلعم کو بھی خدا کی مدد شامل رہے گی۔کیونکہ غزوۂ بدر کی کامیابی میں رسول اللہ صلعم کے طفیل آپ کے اصحاب بھی شریک تھے۔

جب "حسبک اللّٰہ" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب شریک ہیں تو پھر" من اتبعک من المو منین" سے کونسے متبعین ومومنین مراد ہوں گے ظاہر نہیں ہوتا۔غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے مومنین کا ذکر " یا ایھا النبی حسبک اللّٰہ" کی آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محذوف یا مستتر ہے تو پھر" من اتبعک من المومنین" میں متبعین مومنین زاید اور بے فایدہ ثابت ہوں گے یا ان کو زمانہ آیندہ کے مومنین تسلیم کرنا ہوگا۔چونکہ غزوہ بدر کے مومنین کے ساتھ آیندہ کے مومنین کو فرض کرنے کا نہ کوئی قرینہ ہے اور نہ کوئی واقعہ متعلقہ اس لئے یہ مومنین زاید اور غیر ضروری ہی ثابت ہونگے۔

بلحاظ ترکیب نحوی "من المومنین" میں "من" کو بیانیہ مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے

اے نبی وہ تمام لوگ جو تمھاری اتباع کرنے والے ہیں ان کو بھی خدا کافی ہے۔ جو لوگ اتباع کرنے والے ہیں وہ سب مومنین ہیں اس فقرہ کی تقدیر یہ ہوگی " والمومنین من المومنین" اور اس تقدیر کا غلط ہونا واضح ہے۔ البتہ لفظ "من" کو خاص مانا جائے تو مومنین میں سے کوئی خاص شخص مراد ہو سکتا ہے اور اس سے معنی کی کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ تحقق نہ رہے "من" کو خاص لینے کی صورت میں عیسیٰ علیہ السلام بھی مراد نہیں ہوتے کیونکہ وہ نبی تھے اور ہیں ان کی نسبت من المومنین کی قید بے فائدہ ثابت ہوگی۔!!!

اگر یہ کہا جائے کہ اس سے قبل کی آیت " فان حسبک اللہ ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین" سے کونسے مومنین مراد ہیں۔ کیا یہ بھی زاید اور بے فائدہ ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں خدائے تعالیٰ کو دو قسم کی مدد دینا منظور تھا ایک غیبی مدد جس کو فرشتوں کے ذریعہ کی مدد کہتے ہیں اور دوسری انسانوں کے ذریعہ کی مدد اس لئے "بنصرہ" سے غیبی مدد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور بالمومنین سے انسانی مدد مراد لی گئی ہے اسلئے حسبک اللہ کی تشریح ایدک بنصرہ و بالمومنین سے کی گئی۔ جب مومنین کا ذکر آ گیا ہے تو بعد کی آیت سے یا ایھا النبی حسبک اللّٰہ" میں صرف نبی صلعم کا ذکر منفرداً اور اصحاب کا ذکر ضمناً ہو سکتا ہے۔ اس آیت کی نوعیت پہلے والی آیت سے بالکل جداگانہ ہے یعنی سابقہ آیت میں مومنین کا ذکر لفظاً آ سکتا ہے لیکن آیت "یا ایھاالنبی حسبک اللّٰہ" میں اصحاب کا ذکر ضمناً ہو سکتا ہے جس کی تشریح اس سے بعد کی آیت میں آئی ہے اور اس کے الفاظ ذیل میں درج ہیں۔

یا ایھاالنبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبواالفًامن الذین کفروابانھم قومٌ لا یفقھون. (الانفال ۶۵)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ " حسبک اللّٰہ " کی آیت کے تحت نبیؐ کے ساتھ جن اصحاب کا ذکر شامل تھا انھیں کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ اے نبی تم مومنین کو جنگ کی ترغیب دو اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے کیونکہ وہ بے دانش ہیں۔

اس تشریح سے بھی واضح ہے کہ ومن اتبعک من المومنین کا فقرہ بالکل زاید ہے کیونکہ غزوہ بدر کے مومنین کی تشریح حرض بالمومنین کی آیت سے ثابت ہے۔ اگر لفظ "من" کو بمعنی جمع بفرض کریں بلکہ خاص تسلیم کریں تو آیت مذکور کو زاید اور بے فائدہ قرار دینا لازم نہ آسکے گا اور ترجمہ یوں ہوگا۔

"اے نبی تم کو اور اس شخص کو جو مومنین سے تمہارا تابع ہے اللہ کی مدد کافی ہے"۔ من و خاص تسلیم کرنے سے ایسا شخص مراد لینا ضروری ہوگا جسکی ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح مامور من اللہ خلیفۃ اللہ ہو جس کی خبر خود رسول اللہ صلعم نے دی ہے۔ تابع کا مفہوم بطور اشارۃ النص ظاہر کرتا ہے کہ یہاں "من" سے مراد خاص امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی بلاواسطہ تعلیم کے تحت تابع شریعت محمدؐیہ ہیں۔ اس لئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تام ہیں جیسا کہ پہلی آیت کی تفسیر میں شرح فصوص الحکم کی عبارت سے واضح ہو چکا ہے اور دیگر فضائل و مناقب بھی ذکر کئے جا چکے ہیں۔

اگر یہاں اعتراض ہو کہ خاص غزوۂ بدر کے موقع پر لفظ "من" کو خاص مان کر امام مہدی علیہ السلام مراد لینے کا کونسا قرینہ اور کونسا متعلقہ واقعہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت " ان یخدعوک" کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ صلعم کو تسلی دی ہے کہ اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ کفار صلح کے بہانہ سے تیاری جنگ کر کے دھوکہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ نہ صرف تمہاری مدد کریگا بلکہ اس مامور من اللہ کی مدد کو بھی کافی ہے جو آئندہ زمانہ میں آئیگا جن کے آنے کی خبر خدا نے قرآن شریف میں بھی دی ہے اور احادیث متواتر المعنی سے بھی ثابت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام خلفاء اللہ کی مدد کی ہے جو گذشتہ زمانہ میں مبعوث ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے حسبک اللہ کی کاف پر عطف ڈال کر " و من اتبعک من المومنین" بیان کیا گیا ہے تا کہ مامور من اللہ کا مطلب آسانی سے سمجھ میں آجائے پھر سلسلہ کلام کو حسبک اللہ سے ملاتے ہوئے " یا ایھا النبی حرض المومنین علی القتال" سے انھیں مومنین کو ظاہر کیا گیا ہے جو حسبک اللہ کے تحت ثابت ہو چکے ہیں۔

بہر حال آیت " و من اتبعک من المومنین میں لفظ "من" سے مراد قطعاً و یقیناً امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس ہے جو کنایہ و اشارہ کے طور بیان کی گئی ہے۔

تیسری آیت قرآنی

قل ای شئی اکبر شهادة قل الله شهید بینی و بینکم و اوحی الیٰ هذا القرآن لا نذرکم به و من بلغ. (الانعام ۱۹)

(ترجمہ) "اے نبی کہدو کہ اللہ سے بڑھکر کون شہادت دینے والا ہے کہدو کہ اللہ میرے اور تمھارے درمیان شاہد ہے اور یہ قرآن میرے پاس بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تا کہ تم اس سے ڈراوٴ اور وہ شخص بھی ڈرائے جس کے پاس یہ قرآن پہنچے"۔

اس آیت کی نسبت مفسرین نے جو شان نزول لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کفار قریش نے آنحضرت صلعم سے کہا تھا کہ اے محمد کیا خدا کو تمھارے سوا کوئی رسول نہیں ملا تمھاری تو کوئی بھی تصدیق نہ کریگا ہم نے اہل کتاب سے پوچھ لیا کہ تمھاری کتابوں میں محمد کا کوئی ذکر ہے؟ انھوں نے صاف کہدیا کہ ہماری کتابوں میں محمد کا ذکر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ حمام بن زید بن کعب وغیرہ نے کہا تھا کہ اے محمد تمھارے علم میں بجز خدا کے اور کوئی معبود عبادت کے لائق نہیں ہے اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جس کی عبادت کی جائے مجھے اللہ تعالیٰ نے یہی پیغام دیکر بھیجا ہے جس کو میں تم لوگوں تک پہنچا رہا ہوں اسکے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اے نبی تم ان سے کہدو کہ خدا سے بڑھکر کس کی شہادت ہو سکتی ہے خدا ہی میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے اور یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تا کہ میں حاضر و غائب کو جس کے پاس یہ قرآن پہنچے ڈراوٴں۔ (تفسیر بیان السبحان)

یہ معنی اس بنیاد پر ہیں کہ مفسرین نے و من بلغ کے واو کا "عطف" ضمیر جمع مذکر مخاطب پر ڈالا ہے جو "لا نذرکم" میں ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ اے اہل مکہ یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے کہ میں تم کو ڈراوٴں اور ان لوگوں کو بھی جو اقوام عرب و عجم سے دور دراز کے ملکوں اور شہروں میں رہتے ہیں۔

تفسیر لوامع البیان میں بیان کیا گیا ہے کہ بلاغ قرآن کی دو صورتیں ہیں یعنی یہ بلاغ با

عتبار تمام الفاظ و معانی قرآن کے ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر تمام الفاظ معانی قرآن کے اعتبار سے نہ ہو تو یہ بات ہر آمر کے لئے جو امر بالمعروف کرتا ہے اور ہر ناہی کے لئے جو بری باتوں سے منع کرتا ہے ممکن ہے اور ایسے اشخاص کا وجود یوم قیامت تک پایا جا سکتا ہے اور یہ معنی ہر شاہد پر جو غائب کی تبلیغ کرتا ہے اور ہر فقیہ اور واعظ پر جو لوگوں کو خواب غفلت سے جگاتا ہے صادق آئیں گے اور یہ لوگ اس معنی کے لحاظ سے مبلغ یعنی تبلیغ کرنے والے کہلاتے ہیں۔ اگر تمام الفاظ و معانی قرآن کا اعتبار کیا جائے تو یہ معنی صرف اسی شخص پر صادق آسکتے ہیں جو قرآن کے تمام حقایق و دقائق کو جانتا ہو اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن کے تمام معنی و اسرار کا احاطہ بجز اس شخص کے ممکن نہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ وحی بھیجتا ہو اور اس کو تعلیم دیتا ہو اور نیز اس درجہ پر بجز اس شخص کے جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو اور وہ روح القدس کے ذریعہ اس کی تائید کرے کوئی بھی فائز نہیں ہوتا۔

خدا جس کو جمیع معانی قرآن کی تعلیم دیتا ہے وہی تمام حقائق شریعت سے واقف ہوتا ہے اور ایسا شخص ہی نبی صلعم کا وارث ہوتا ہے جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ نے احیاء العلوم میں بیان کیا ہے۔

"کوئی عالم اس وقت تک وارث نبی نہیں ہوتا جب تک وہ تمام معانی شریعت سے مطلع نہ ہو۔ یہاں تک کہ اسکے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق باقی رہ جاتا ہے یہی وہ نبوت کا درجہ ہے جو وارث اور مورث کے درمیان فرق ظاہر کرتا ہے۔"

وارث کی دو قسمیں ہیں ایک وارث وہ جو بیان احکام شریعت میں خطا نہیں کرتا وہ امام معصوم ہوگا جسکی اتباع اس کے اقوال و افعال میں واجب ہے دوسرا وارث وہ ہے جو بیان احکام شریعت میں کبھی خطا کرتا ہے اور کبھی صواب وہ عالم مجتہد ہوتا ہے جسکی اتباع عامی اور اس عالم کے لئے واجب ہے جسکو اجتہاد کا درجہ حاصل نہ ہو۔ اس کے بعد وارث معصوم اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت الی اللہ کی اجازت دیا گیا ہو تو وہ اللہ کا خلیفہ ہے اس آیت میں "من بلغ" کا اشارہ ایسے ہی وارث معصوم کی طرف ہو سکتا ہے جس کی تعلیم و تبلیغ مثل تعلیم و تبلیغ رسول صلعم کے ہو۔

مفسرین کے نزدیک "لانذرکم" کے مخاطب بطریق حصر صرف اہل مکہ ہیں جو قرین قیاس نہیں بلکہ اس کا اشارہ ان تمام لوگوں کی طرف بھی ہو سکتا ہے جو نبی صلعم کی زندگی میں موجود ہوں اور آپ کے بعد قیامت تک آتے رہیں کیونکہ آپ کائنات کے تمام لوگوں کیلئے بشیر و نذیر ہیں جو

بعثت سے لیکر قیامت تک آئیں۔

قرآن شریف میں اس قسم کے ضمیریں متعدد جگہ آئی ہیں وہاں " کافۃ الناس الی یوم القیامۃ" مراد ہیں مثلاً کتب علیکم الصیام" روزے تم پر فرض کئے گئے ہیں۔ " یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا" کہدوا ے نبی کہ لوگو میں تم سب کے پاس اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ " قدجاء کم الرسول بالحق من ربکم یعنی تمھارے پاس رسول حق یعنی قرآن تمھارے رب کی طرف سے لیکر آئے ہیں۔ " ما اتا کم الرسول فخذوہ وما نہا کم فانتھوا" یعنی اے نبی کہدو کہ پیغمبر جو تم کو دیں لےلو اور جس سے منع کریں باز رہو۔ ان آیات میں علیکم . الیکم. کم کے مخاطب صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں موجود تھے بلکہ قیامت تک آنے والے تمام مسلمان اس کے مخاطب ہیں۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ "لا نذرکم" کا خطاب الی یوم القیامہ تمام مسلمانوں سے متعلق ہوسکتا ہے تو اس صورت میں "ومن بلغ" کی آیت زاید از مقصود ثابت ہوگی کیونکہ تمام قرآن شریف رسول اللہ صلعم پر نازل ہوا ہے اور ہر آیت میں قل یا محمدؐ کا حکم ہوا ہے جو محذوف ہے اور خدا آمر وناہی سے کہیں بھی مخاطب نہیں ہے اگر کسی آیت میں مومنین منادیٰ بھی ہوں جیسے یا ایھا الذین آمنو تو یہ خطاب بھی بتوسط نبی صلعم ہوگا کیونکہ نزول قرآن ابتداء نبی صلعم پر ہوا ہے نہ کہ مومنین پر۔ اس لئے "من " نہ عام ہے اور نہ اس کو عام لیکر آمر وناہی مراد لینا صحیح ہوگا۔

اگر "ومن بلغ" میں "من" کو خاص مان کر اس کا عطف "الی" کی یائے متکلم پر ڈالا جائے تو "من" کا اشارہ وارث معصوم یا مہدی علیہ السلام کی طرف ہوگا۔ جو خلیفۃ اللہ اور معصوم عن الخطا ہیں جیسا کہ ہم نے پہلی آیت کی تفسیر میں وضاحت کی ہے اس صورت میں یہ آیت زاید از مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود ثابت ہوگی اور آیت کی تقدیر یہ ہوگی "اوحی الی ھذا القران والی من بلغ" یعنی یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے اور اس شخص کی طرف جس کو قرآن پہنچے۔

اگر یہ کہا جائے کہ "من" سے مراد وارث معصوم یا امام مہدی علیہ السلام لئے جائیں تو مہدی علیہ السلام کو بھی صاحب وحی تسلیم کرنا ہوگا اور یہ بھی ماننا پڑیگا کہ نبی صلعم کے بعد وحی منقطع نہیں ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلاشک وشبہ نبوت ختم ہوگئی اور وہ وحی بھی

منقطع ہوگئی جو بذریعہ جبرئیل آتی تھی لیکن وہ وحی جو بطور القا ہو یا کلام من وراء حجاب کی قسم سے ہو منقطع نہیں ہوئی بلکہ الیٰ یوم القیامۃ قایم ہے اور رہے گی۔

اصل یہ ہے کہ وحی اللہ کا خطاب ہے جس کی تین قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس کو مطلق وحی کہتے ہیں دوسری قسم وحی کی وہ ہے جس میں اللہ کا کلام من وراء حجاب ہوتا ہے تیسری قسم وحی کی وہ ہے جو بذریعہ فرشتہ کے ہو جیسا کہ آیت " وما کان لبشران یکلمہ اللّٰہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء "(یعنی کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر الہام کے ذریعہ سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ خدا کے حکم سے ہے جو خدا القا کرے) سے ظاہر ہے۔ چونکہ نبیؐ خاتم الانبیا ہیں اور " لا نبی بعدی" کی حدیث کی بناء پر آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اس لئے وہ وحی جو بذریعہ جبرئیل سے آتی تھی منقطع ہوگئی لیکن پہلی اور دوسری قسم کی وحی الی یوم القیامۃ (روز قیامت تک) منقطع نہیں ہوسکتی۔ حدیث لا وحی بعدی محدثین کے نزدیک باطل ہے ملا علی قاری نے رسالہ المہدی میں اس کے باطل ہونے کا اشارہ ظاہر کیا ہے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ پہلی اور دوسری قسم کی وحی منقطع نہیں ہے اور یہ وحی صدیقین اور اولیاءاللہ کو بھی حاصل ہوسکتی ہے اس لئے ومن بلغ الیہ القران سے مراد جو وارث معصوم یا مہدی علیہ السلام ہیں آپ پر یہ دونوں قسم کی وحی نازل ہوسکتی ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحات کے باب ۳۶۶ میں وارث معصوم سے مراد مہدی علیہ السلام کی ذات لی ہے اور آپ کو ملحق بالانبیا بھی کہا ہے۔ اس لئے آیت زیر بحث میں ومن بلغ الیہ القران سے مراد قطعاً و یقیناً مہدی علیہ السلام کی ذات ہے لاغیر

چوتھی آیت قرآنی

افمن کان علی بیّنۃ من ربہ و یتلوہ شاھد منہ و من قبلہ کتاب موسیٰ اماماً و رحمۃ اولئک یومنون بہ و من یکفر بہ من الاحزاب فالنار موعدہ فلا تک فی مریۃ منہ انہ الحق من ربک ولکن اکثر الناس لا یومنون. (سورۂ ہود۱۷)

(ترجمہ) کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اور اس کے پیچھے خدا کی طرف سے گواہ آئے اور اسکے پہلے کتاب موسیٰ (تورات) پیشوا اور رحمت بنکر آئی ہو تو وہ لوگ اس پر ایمان لائیں گے؟ اور جو شخص (مختلف) جماعتوں سے اس کا انکار کرے دوزخ اس کی وعدہ گاہ ہے تم اس سے شک وشبہ میں نہ ہو بے شبہ وہ تمھارے رب کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس آیت میں لفظ "من" اگرچہ عام بھی ہوتا ہے اور خاص بھی لیکن اس آیت میں خاص اور بطور شرط آیا ہے جسکی جزا فلاتک فی مریۃ منہ الخ ہے

بینہ کے لغوی معنی دلیل روشن اور ثبوت ظاہر کے ہیں اس کی جمع بینات آتی ہے۔
بینہ سے مراد وہ دلیل واضح ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو ان کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے عطا کرتا ہے۔ قرآن میں بینہ کے لفظ کے بعد " من ربی" "من ربکم" آئے تو وہاں انبیاء علیہم السلام مراد ہوتے ہیں جیسے۔

"قل انی علی بینۃ من ربی". اے محمد کہدو کہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے بینہ پر ہوں۔

قد جئتکم ببینہ من ربکم. میں تمھارے پاس خدا کی طرف سے بینہ لیکر آیا ہوں۔
آیت زیر بحث میں بینہ کے بعد " من ربہ" کے الفاظ آئے ہیں اس سے کون شخص مراد ہے آیندہ واضح ہوگا۔

یتلوہ میں " یتلو" تلاوت سے مشتق نہیں ہے بلکہ تِلو بالکسر سے مشتق ہے۔ جس کے معنی پس یا پیچھے کے ہیں جیسا کہ صراح میں لکھا ہے تلو الشی پس چیزے۔

مقامات حریری میں جہاں مولف نے بدیع الزماں مولف مقامات بدیعی کی تعریف کی ہے لکھا ہے" اتلو فیھا تلوالبدیع وان لم یدرک الظالع شاوالضلیع "(یعنی میں اس کتاب میں بدیع الزمان کی پیروی کروں گا اگرچہ خرلنگ اسپ قوی کی رفتار کو نہیں پہنچتا۔) اس عبارت میں " اتلو تلوا لبدیع" کے معنی یہ ہیں کہ میں بدیع الزماں کی پیروی کرونگا۔ چونکہ اس آیت میں "یتلوہ شاھد منہ" کے بعد " ومن قبلہٖ کتاب موسیٰ آیا ہے اس لئے پیچھے

آنے کا ترجمہ صحیح ہے۔

شاھد بمعنی گواہ یا گواہی دینے والے کے ہیں۔"اولئک یومنون بہ " میں اولئک سے اُس مامور من اللہ کے زمانہ کے لوگ مراد ہیں جو لفظ "من" کا مصداق ہے اور یہ جملہ بطور استفہام انکاری آیا ہے کیا وہ لوگ ایمان لائیں گے یعنی نہیں لائیں گے۔
"احزاب" جمع حزب بمعنی گروہ ہے۔

مریۃ کے معنی شک وشبہ کے ہیں بکذا فی الصراح اس آیت کی نسبت مفسرین مختلف الاقوال ہیں بعض نے لفظ "من" سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد لی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ لفظ "من" عام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ "من" کا لفظ کلی منطقی ہے اس لئے اس کا مصداق ہر مومن مخلص ہوسکتا ہے۔ اسی طرح "شاھد" کے معنی میں بھی اختلاف ہے حضرت ابن عباس۔ مجاہد۔ عکرمہ۔ ابوالعالیہ۔ ضحاک ابراہیم نخعی اور سدی نے "شاھد" سے مراد جبرئیل لی ہے۔ حضرت علیؓ اور حسن بصریؒ کی روایت میں اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ابن کثیر نے ان کی روایات کی تضعیف کی (ضعیف قرار دیا) ہے "شاھد" سے مراد قرآن شریف بیان کیا ہے اور اس کو قائل ترجیح قول قرار دیا ہے کیونکہ جب کتاب تورات ماقبل ہے تو قرآن شریف کتاب مابعد ہونی چاہئے جس پر " یتلو" کا لفظ تلو سے مشتق ہے دلیل بیّن ہے تا کہ قائل صحیح ثابت ہو بکذا فی تفسیر بیان السبحان اور یہی تفسیر بہت صحیح ہے۔

اب ہم اس آیت کی نسبت مختلف اقوال کی تشریح کرتے ہیں گے تا کہ صحیح قول واضح ہوجائے۔

اگر لفظ من سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس لی جائے تو آیت میں لفظ من کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جس سے آپ کی ذات اقدس کا تعین ہو ورنہ مفسرین مختلف الاقوال نہ ہوتے۔

اکثر آیات ایسی ملیں گی جن سے پیغمبروں کا تعین ثابت ہوتا ہے مثلاً "قل انی علی بینۃ من ربی" یعنی اے محمد کہدو کہ میں اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہوں۔ ایک اور مقام پر خدا نے رسول اللہ صلعم سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے " لقد انزلنا الیک بینات" ہم نے محمد پر روشن

دلایل نازل کئے ہیں۔ نوح علیہ السلام نے اپنے تعین کے ساتھ فرمایا ہے " یا قوم ان کنت علی بینة من ربی" یعنی اے قوم دیکھو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہوں۔ یہی الفاظ صالح علیہ السلام نے فرمائے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ موسیٰ کے تعین کے ساتھ فرمایا "لقد جاء کم موسیٰ بالبینات" یعنی موسیٰ تمہارے پاس روشن دلایل کیسا تھ آئے ہیں۔

آیت زیر بحث میں "من " سے مراد رسول اللہ صلعم ہی فرض کئے جائیں تو آیت " فلا تک فی مریة منه انه الحق من ربک "میں منه کی ضمیر واحد غایب یا تو راجع ہوگی لفظ "من" کی طرف جس سے رسول اللہ صلعم کی ذات اقدس مراد لی گئی ہے یا شاهد کی طرف جس سے قرآن شریف مراد ہے یا جبرئیل کی طرف "من " کی طرف راجع ہونے کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اے نبی لفظ "من " پر شک و شبہ نہ کرو۔ اور اگر قرآن کی طرف راجع ہو یا جبرئیل کی طرف تو معنی یہ ہوں گے کہ آپ قرآن شریف یا جبرئیل پر شک و شبہ نہ کرو کیونکہ وہ خدا کی طرف سے برحق ہے۔ اس معنی کے غلط ہونے کا اندازہ ہر معمولی عقل والا بھی کر سکتا ہے کیونکہ نبی صلعم کو نہ کبھی اپنی ذات اقدس پر شبہ ہوا ہے نہ قرآن شریف اور نہ جبرئیل پر جبکہ ذالک الکتاب لا ریب فیه کی آیت آپ پر نازل ہوئی ہے اور جبرئیل خود آپ کے پاس آتے جاتے اور حامل وحی تھے۔

جو لوگ "من " سے مراد رسول اللہ صلعم کی ذات اقدس بیان کرتے ہیں " فلا تک فی مریة منه" میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اگرچہ فلا تک فی مریة منه کے مخاطب رسول اللہ صلعم ہیں مگر جعًا اس سے مراد امت محمد یہ ہے یعنی امت کو حکم ہو رہا ہے کہ ذات رسالتمآب یا قرآن و جبرئیل پر شبہ نہ کرو۔

یہ تاویل بھی اس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ "فلا تک فی مریة منه" میں کوئی ایسا قرینہ ہی نہیں ہے جس سے امت محمد یہ مراد ہو۔ علاوہ اس کے امت کو ذات رسالتمآب یا قرآن پر کیسے شبہ ہو سکتا ہے یا اس کو جبرئیل کے حامل وحی ہونے سے انکار ہے۔ شبہ کی صورت میں وہ امت ہی امت مسلم نہیں رہ سکتی اس تقریر سے ظاہر ہے کہ "افمن کان" میں "من " سے مراد رسول اللہ صلعم کی ذات اقدس نہیں لی جا سکتی۔

اسی طرح "من " کو عام لیکر عام مومنین مراد لئے جائیں تو فلا تک فی مریة منه انه

الحق من ربک کی آیت میں "منه" اور انه کی ضمیریں جو واحد غائب کی ہیں غیر مطابق ہوں گی۔ یہ معنی اس صورت میں درست ہوں گے جبکہ اصل آیت فلا تک فی مریة منهم وانهم الحق من ربک ہو۔ علاوہ اس کے نبی صلعم کو اپنے مومنین سے شبہ کرنا بھی بے محل ہوگا۔

اگر لفظ "من " کو کلی منطقی مان کر اس کا مصداق ہر مومن مخلص کو قرار دیا جائے تو تین وجوہ سے یہ بھی قرین قیاس نہیں۔

اولاً یہ کہ "فلا تک فی مریة منه" کے مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں "منه" کی ضمیر یا تو راجع ہوگی "من " کی طرف جس سے ہر مومن مخلص مراد ہے یا "شاهد" کی طرف راجع ہوگی جس سے مراد قرآن شریف ہے یا جبرئیل ہیں۔ "من " کی طرف راجع ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ اے نبی ہر مومن مخلص کی ذات پر شبہ نہ کرو اور اگر منه کی ضمیر قرآن شریف یا جبرئیل کی طرف راجع ہو تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اے نبی قرآن پر یا جبرئیل پر شبہ نہ کرو کیونکہ ہر مومن مخلص یا قرآن یا جبرئیل خدا کی طرف سے برحق ہے اس معنی کا غلط ہونا بھی صاف ظاہر ہے کیونکہ نبی صلعم کو ہر مومن مخلص پر شبہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں جبکہ وہ مومن مخلص آپ پر ایمان لایا اور مخلص ہے۔ اسی طرح قرآن یا جبرئیل پر بھی آپ کو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا جبکہ قرآن خدا کی طرف سے جبرئیل کے توسط سے نازل ہوا ہے۔

ثانیاً یہ کہ ہر مومن مخلص پر الفاظ" یتلوه شاهد منه و من قبله کتاب موسیٰ اماما و رحمة اولئک یومنون به و من یکفر به من الاحزاب فالنار موعده صادق آئیں تو اس سے ہر مومن مخلص کو مامور من اللہ ماننا پڑے گا اور اسکی شان پیغمبرانہ ثابت ہوگی جس کا ماننا ایمان اور اس کا انکار کفر ہوگا۔

ثالثاً یہ کہ بینه کا لفظ "من ربه" کے ساتھ پیغمبروں کے سوا دوسروں کے لئے نہیں آتا چونکہ ان الفاظ سے مامور من اللہ کی شان ظاہر ہو رہی ہے اس لئے "من " سے مراد ہر مومن مخلص نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ شاہد سے مراد قرآن شریف ہے جو توراۃ کے مقابل میں مذکور ہے لیکن اسکے برعکس رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد لی جائے اور لفظ "من " سے ہر مومن مخلص تو

پھر بھی " فلا تک فی مریة منه" کا اعتراض باقی رہے گا حقیقت یہ ہے کہ نہ تو نبی صلعم کو اپنی ذات پر شبہ ہو سکتا ہے نہ ہر مومن مخلص پر جبکہ وہ آپ پر ایمان لا چکا ہو۔

جب یہ ثابت ہو چکا کہ اس آیت " افمن کان" میں لفظ "من" سے مراد رسول اللہ صلعم کی ذات اقدس نہیں ہو سکتی علاوہ اس کے عام مومنین اور ہر مومن مخلص بھی مراد نہیں ہے تو ایک ایسی ذات اقدس یقیناً مراد ہو سکتی ہے جس کی شان میں الفاظ یتلوہ شاھد منه و من قبله کتاب موسیٰ اماماً و رحمة الخ صادق آئیں اور وہ خود خلیفۃ اللہ یا مامور من اللہ ہو جس کا ماننا ایمان اور اسکا انکار کفر ہو وہ یا تو مہدی علیہ السلام ہو سکتے ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام کیونکہ رسول اللہ صلعم نے الگ الگ زمانوں میں ان ہر دو مقدس ہستیوں کے آنے کی خبر دی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے" کیف تھلک امة انا فی اولها و عیسیٰ فی اخرها والمهدي من اهل بیتی فی وسطها" یعنی وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اول میں ہوں عیسیٰؑ اسکے آخر میں مہدیؑ میرے اہل بیت سے اسکے وسط میں ہیں۔

چونکہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے سے نبی اور اپنی امت کیلئے بینہ ثابت ہو چکے ہیں اسلئے مکرر اس آیت زیر بحث میں "من " سے مراد عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے۔ ثابت ہوا کہ "من " خاص ہے اور اس سے مراد امام مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس ہے اور آپکا تو خلیفۃ اللہ ہونا حدیث ثوبانؓ سے ثابت ہے۔

عن ثوبانؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم یقتتل عند کنز کم ثلاثه کلهم ابن خلیفة لا یصیر الی احد منهم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق فیقتلو نکم قتلاً لم یقتله قوم ثم یجئ خلیفة الله المهدی فاذاسمعتم به فاتوه فبا یعوه ولو حبواً علی الثلج۔ (ابن ماجہ۔ حاکم ابونعیم)	ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمھارے کنز یعنی خلافت کیلئے تین شخص جھگڑا کریں گے خلافت کسی کو نہیں ملے گی پھر سیاہ جھنڈے مشرق کی طرف سے نکلیں گے تو تم کو یعنی مسلمانوں کو ایسا قتل کریں گے کہ کوئی قوم اس طرح قتل نہ کی ہوگی پھر اللہ کے خلیفہ مہدی آئیں گے تم ان کو سنو تو انکے پاس آو ان سے بیعت کرو اگر چہ برف پر سے رینگتے جانا پڑے۔

اسی طرح ایک اور حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی آئی ہے جس کو ابو شیبہ نے لکھا ہے۔

قال قال رسول الله صلعم یخرج المهدی و علیٰ راسه ملک ینادی هذا المهدی خلیفة الله فا تبعوه.	ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ مہدی اس حالت میں ظہور کریں گے کہ فرشتہ آپ کے اوپر سے ندا کریگا کہ یہ مہدی خلیفۃ اللہ ہیں تم ان سے بیعت کرو۔

ان دونوں روایتوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مہدی علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ فرمایا ہے۔

اب امام مہدی علیہ السلام کو آیت " افمن کان علی بینة" میں لفظ "من " کا مصداق ٹہراتے ہوئے اور آیت "فلا تک فی مریة منه" میں ضمیر واحد غائب کا مرجع لفظ "من" کو قرار دیتے ہوئے پوری آیت کا مطلب یہ ہے۔

جو شخص یعنی مہدی علیہ السلام اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اور قرآن شریف آپ کی بعثت کا گواہ آپ کے پیچھے آچکا اور آپ کے پہلے کتاب موسیٰ امام اور رحمت بن کر آئی ہو تو کیا وہ لوگ جو آپ کے زمانہ میں ہوں گے آپ کو تسلیم کریں گے؟ جو لوگ مختلف جماعتوں سے آپ کا انکار کریں تو دوزخ ان کی وعدہ گاہ بنے گی ۔ اے نبی آپ مہدی کی نسبت شبہ نہ کرو کیونکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے یقیناً برحق ہیں۔ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

(انتباہ)۔ اکثر لوگوں کا ایمان نہ لانا کوئی نئی بات نہیں ہے بہت سارے پیغمبروں کی امت کی تعداد بہت قلیل تھی تو کیا اس سے ان کے پیغمبر ہونے کی تکذیب ہوگی؟ ہرگز نہیں۔

کتاب موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس بنا پر ہے کہ انبیائے سابقین کی کتابوں میں بھی مہدی علیہ السلام کا ذکر آیا ہے جیسا کہ کعب الاحبار نے بیان کیا ہے" انّی اجدالمهدی مکتو با فی اسفار الانبیاء (یعنی میں مہدی کا ذکر انبیا کی کتابوں میں پاتا ہوں)۔

تفسیر تاویلات میں عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے "قال عیسیٰ نحن ناتیکم بالتنزیل و اما التاویل فسیاتی به المهدی فی اخر الزمان" عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے ہم پیغمبر تمھارے پاس تنزیل لے آتے ہیں لیکن تاویل اسکو مہدی آخر زمانہ میں لائیں گے۔

پانچویں آیت قرآنی

قل هذه سبیلی ادعو الی اللّٰه علی بصیرة انا و من اتبعنی (سورہ یوسف ۱۰۸)۔(ترجمہ) کہدو اے محمد یہ میرا طریقہ ہے میں اللہ کی طرف بصیرت پر بلاتا ہوں اور وہ شخص بھی بلاتا ہے جو میرا تابع ہے۔

یہ آیت سورۂ یوسف کے آخری حصہ میں آئی ہے پورا قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے "ذالک من انباء الغیب نوحیه الیک" (آل عمران ۴۴) (یعنی حضرت یوسف کے واقعات غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم تمھاری طرف وحی کرتے ہیں اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ محمدؐ نے نہ کوئی تاریخی کتاب پڑھی ہے اور نہ ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے کہ تورات وغیرہ پڑھکر سمجھ سکیں اور نہ محمدؐ کے زمانہ میں حضرت یوسف کے قرابت دار موجود تھے جن سے آپ کو واقعات معلوم ہوئے ہوں۔بجز وحی کے کوئی ذریعہ نہ تھا کہ محمدؐ کو دو ہزار برس پہلے کے صحیح صحیح واقعات معلوم ہوں۔اس کے بعد چند آیتیں آنحضرت صلعم کی تسلی کے لئے بیان کی گئی ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ اے محمدؐ آپ کیسی ہی خواہش کریں اور کیسے ہی معجزات دکھائیں مگر وہ آپ پر نہ ایمان لائے ہیں اور نہ لائیں گے اور قرآن شریف کو بھی خدا کا کلام تسلیم نہیں کریں گے وہ آپ کو مانیں یا نہ مانیں آپ کا کام تبلیغ ہے ہمارے احکام ان تک پہنچادو اور کہدو کہ یہی میرا طریقہ تبلیغ ہے میں لوگوں کو اللہ کی طرف بصیرت پر بلاتا ہوں اور وہ شخص بھی بلاتا ہے جو میرا تابع ہے۔

اس آیت میں **قل** بمعنی **قل یا محمد** ہے یعنی اے محمدؐ کہدو۔ **سبیل** سے مراد طریقہ تبلیغ ہے۔بصیرت کے معنی بینائی دل یا عقل وشعور کے ہیں۔اس آیت میں لفظ "من" قابل بحث ہے وہ عام ہوگا یا خاص۔اکثر مفسرین نے اس کو عام تسلیم کیا ہے جب لفظ من سے کسی خاص شخص کو مخصوص نہیں کیا گیا ہے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر وہ شخص عام ازیں کہ صحابی ہو یا تابعی۔ولی ہو یا سالک عالم ہو یا عامی جو بھی محمد صلعم کی اتباع کرتا ہے وہ محمد صلعم کی طرح داعی الی اللہ اور بصیرت کی دعوت دینے والا ہوگا جو صحیح نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح جو شخص خلیفۃ اللہ ہوگا وہی داعی الی اللہ ہو سکتا ہے۔بجز امام مہدی اور عیسیٰ علیہما السلام کے امت محمدیہ میں کوئی بھی خلیفۃ اللہ نہیں ہے۔ان دونوں

خلیفۃ اللہ کے سوا امت کا ہر فرد رسول اللہ صلعم کی تبلیغ کا ممد ومعاون ہو سکتا ہے نہ کہ داعی الی اللہ۔

داعی الی اللہ اور داعی الی احکام اللہ میں بہت بڑا فرق ہے۔جو لوگ خلیفۃ اللہ ہوں وہی داعی الی اللہ ہو سکتے ہیں یعنی اللہ کی طرف بلانے والے ان کے سوا باقی تمام لوگ داعی الی احکام اللہ ہو سکتے ہیں۔یعنی اللہ کے احکام کی تعمیل کی طرف بلانے والے۔

اس آیت میں "من" سے مراد وہی ذات اقدس ہو سکتی ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح داعی الی اللہ اور مامور من اللہ ہو۔

علم بیان کی رو سے لفظ "من" عام ہو کر بھی فرد کامل کی طرف راجع ہو سکتا ہے علاوہ اسکے از روئے قواعد نحو "انا" اور "من" جو معطوف اور معطوف علیہ ہیں دونوں کا ایک حکم میں ہونا ضروری ہے کیوں کہ عطف بالحرف کی تعریف یوں کی جاتی ہے "**عطف بالحروف تابع ینسب الیه ما نسب الیه متبوعه و کلا هما مقصود ان بتلک النسبة**" (یعنی عطف بالحرف ایسا تابع ہے کہ اس کی طرف وہی چیز نسبت کیجائے گی جو اسکے متبوع کی طرف نسبت کی گئی ہو اور دونوں ایک ہی نسبت سے منسوب ہوں گے) اس سے ثابت ہے کہ اس آیت میں عطف بالحرف اس بات کا مقتضی ہے کہ تابع اور متبوع کی دعوت ایک ہی مرتبہ کی ہو۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات کے باب (۳۶۶) میں اسی آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال اللّٰه تعالیٰ عن نبیّه علیه السلام ادعو الی اللّٰه علیٰ بصیرة انا و من اتبعنی فا لمهدی ممن اتبعه و صلی اللّٰه علیه و سلم لا یخطی فی دعائه الیٰ اللّٰه فمتبعه لا یخطی فا نه یقفواثره و کذاوردفی الخبرصفة المهدی انه قال صلعم یقفو اثری ولا یخطی و هذه هی العصمةفی الدعا الی اللّٰه.	اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ کہنے کا حکم دیا ہے کہ کہو میں اللہ کی طرف بصیرت پر بلاتا ہوں اور میرا تابع بھی بلاتا ہے پس مہدی آپ کے تابعین سے ہیں اور جس طرح رسول اللہ صلعم سے اللہ کی طرف بلانے میں خطا نہ ہوگی اسی طرح آپ کے تابع سے بھی خطا نہ ہوگی کیونکہ مہدی آپ کے نقش قدم پر چلتے ہیں حدیث میں مہدی کا یہی وصف وارد ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے مہدی میرے نقش قدم پر چلیں گے اور خطا نہیں کریں گے دعوت الی اللہ میں آپکی معصومیت کا ثبوت یہی ہے۔

اس تفسیر میں اگرچہ حضرت شیخ اکبرؒ نے مہدی کی نسبت "ممن اتبعه" بتایا ہے یعنی ان لوگوں میں جو رسول اللہ صلعم کی اتباع کریں گے لیکن غیر مخطی ہونیکی صفت جو رسول صلعم سے مخصوص ہے اسی صفت کو مہدی کیلئے ثابت فرمایا ہے اس سے ثابت ہے کہ بمقابل دیگر تابعین کے مہدی علیہ السلام ہی ایسے تابع ہیں جو دعوت الی اللہ میں غیر مخطی ہیں اسلئے "من اتبعنی" میں "من" کا اشارہ خاص طور پر مہدی علیہ السلام ہی کی طرف ہوسکتا ہے ورنہ مخطی کی دعوت الی اللہ خطا سے خالی نہ ہوگی۔

اسکے علاوہ شیخ اکبرؒ نے فتوحات کے باب میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے سوائے امام مہدی کے کسی اور امام کیلئے "یقفو اثری ولا یخطی" نہیں فرمایا۔ اصل عبارت یہ ہے۔

ما نص رسول اللہ صلعم علی امام من ایمه الذین یکون بعده یرثه و یقفو اثره لا یخطی الا المهدی خاصةً فقد شهد بعصمته فی احکامه شهدالدلیل العقلی بعصمته رسول اللہ.	رسول اللہ صلعم سے سوائے مہدی کے ایمہ دین سے کسی امام کے لئے کوئی نص جاری نہیں ہوئی کہ وہ رسول اللہ کے بعد آپ کا وارث اور آپ کے نشان قدم کی پیروی کرنے والا خطا نہ کرنیوالا ہوگا اور رسول اللہ نے مہدی کو اپنے احکام میں معصوم ہونیکی گواہی دی ہے جیسا کہ دلیل عقلی رسول اللہؐ کے معصوم ہونیکی گواہ ہے۔
(ایضاً) قد اخبر علیه السلام عن المهدی انه لا یخطی و جعله ملحقا بالانبیاء.	رسول اللہ صلعم نے مہدی کی نسبت معصوم ہونیکی خبر دی ہے اور آپ کو ملحق بالانبیا ٹھیرایا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مہدی علیہ السلام ہی ایک ایسے امام ہیں جو وارث رسول اللہ صلعم معصوم عن الخطا اور ملحق بالانبیاء ہیں ان وجوہ سے اس آیت میں لفظ "من" سے مراد صرف مہدی علیہ السلام ہی ہوسکتے ہیں لا غیر۔

اس آیت میں لفظ "من" سے مراد کون ہے ظاہر نہیں کیا گیا اسکی مثال ٹھیک اس پیشین گوئی کی سی ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بعض کاہنوں اور یہودیوں کے دریافت کرنے پر فرمایا تھا کہ "میں نہ عیسیٰ ہوں نہ الیاس بلکہ میں اس شخص کی آواز ہوں جو جنگل میں پکارتا ہے کہ خدا کا راستہ سیدھا کرو"۔ (خطبات احمدیہ)

اس بشارت میں اگرچہ تیسرے نبی کا نام نہیں بتایا گیا ہے لیکن اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ہم آنحضرت کو بھی نبیؐ مراد لیتے ہیں اسی طرح خدا و رسول اللہؐ اور اصحاب رسول اللہؐ کے پاس مہدی متعارف تھا اور مہدیؑ کی ذات معین تھی اسلئے مبہم خبر دیگئی جیسا کہ بشارتوں کا عام طریقہ ہے یعنی وہ جو میرا تابع ہے وہ بھی لوگوں کو بصیرت پر بلانے والا ہے۔

چونکہ رسول اللہ صلعم نے اپنے بعد دو شخصوں کے آنے کی خبر دی ہے ایک مہدی علیہ السلام دوسرے عیسیٰ علیہ السلام اسلئے امکان اس کا بھی ہے کہ لفظ "من" سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔

چونکہ رسول اللہ صلعم نے مہدی علیہ السلام کی نسبت فرمایا ہے المهدی منی یقفو اثری ولا یخطی (یعنی مہدی مجھ سے ہیں وہ میرے قدم بقدم چلیں گے خطا نہیں کریں) یہ بشارت "من اتبعنی" کی تفسیر کررہی ہے علاوہ اس کے یہ بشارت بجز امام مہدی کے کسی اور امام کے لئے نہیں دی گئی ہے جیسا کہ شیخ اکبرؒ نے صراحت فرمائی ہے اب شیخ اکبرؒ سے بڑھکر کون ہے جس کی تاویل صحیح ہو آپ نے خود عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی تذکرہ تک نہیں فرمایا اسلئے اس آیت میں "من" سے مراد مہدی علیہ السلام ہی ہوسکتے ہیں۔

اس بحث کے قطع نظر بصیرت کے اعلیٰ مفہوم کا اعتبار کیا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بجز امام مہدی علیہ السلام کے کوئی اور نہیں ہوسکتا جو بصیرت الی اللہ کی صحیح دعوت دے سکے۔

بصیرت کے لغوی معنی بینائی دل (عقل و شعور) کے ہیں تو بصارت کے معنی بینائی چشم کے ہیں۔ بصارت بصیرت کے تابع ہے جیسا کہ تجربات سے ظاہر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں ایک بہت ہی کمسن بچہ گہوارہ میں ہاتھ پاؤں مارتا پڑا رہتا ہے اگرچہ قدرت نے اسے آنکھیں دی ہیں لیکن وہ کسی چیز کو دیکھکر پہچان نہیں سکتا۔ بلکہ فطری طور پر اس کو منہ میں ڈال لیتا ہے خواہ وہ چیز کھانے کی قسم سے ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ اس میں شعور نہ ہونیکی وجہ سے اسکی آنکھیں دید کا فعل اچھی طرح انجام نہیں دیتیں۔

جب اسی بچہ کو کچھ شعور آجاتا ہے تو مختلف چیزوں میں امتیاز کرتا کھانے کی چیز ہو تو کھالیتا کھیلنے کی چیز ہو تو کھیلنے لگتا ہے گویا شعور کے ساتھ اسکی آنکھیں دید کا فعل نسبتاً اچھی طرح انجام دینے لگ جاتی ہیں۔ اسی طرح جیسے جیسے شعور بڑھتا یا بصیرت ترقی کرجاتی ہے تو بصارت اسی قدر تیز ہوتی جاتی ہے اور وہ ہر چیز کو دیکھنے بھالنے لگتا ہے۔

ایک گھڑی ساز جو اپنی گھڑی سازی کے فن میں اچھی بصیرت یا اچھا شعور رکھتا ہے وہ

معمولی طریقہ سے چابی بھرا کر کہدیتا ہے کہ کمان ٹوٹ گئی ہے یا کوئی اور چیز خراب ہوگئی ہے اگر چہ اس نے آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر شخص اس کی آنکھوں میں ایسا سما جاتا ہے کہ گویا اس نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے برعکس اس کے جو گھڑی ساز اپنی گھڑی سازی کے فن میں ماہر نہیں ہے وہ گھڑی کے پورے اوزار کھول کر نقص کا پتہ لگائے گا نتیجہ یہ کہ فن کی مہارت اور شعور کامل نہ ہونے سے گھڑی کا نقص پہلے پہل آنکھوں میں سما نہ سکا۔

اسی طرح جب انسان کا شعور کامل ہوتا ہے تو وہ بڑا حکیم اور مدبر کہلاتا ہے۔ تمام حکمت اور تدبیر کی باتیں انکی نظروں میں سمائی رہتی ہیں۔

بزرگانِ دین کا کیا پوچھنا جبکہ انھیں منجانب اللہ بصیرت یا شعور حاصل ہو کشف کا ذریعہ بھی بصیرت ہے۔ پیغمبروں اور خلفا ءاللہ کی بصیرت عام انسانوں سے زیادہ ہوتی ہے وہ فرشتوں کو مجسم دیکھ سکتے ہیں۔ فرمان " من عرف نفسه فقد عرف ربه"(یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا وہ اپنے رب کو پہچانا) سے بصیرت کے حصول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور آیت "ادعو االی اللّٰه علی بصیرة" سے بھی اللہ تعالٰی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہدی علیہ السلام کو بصیرت کی دعوت دینے کا حکم دیا ہے۔ بصیرت کا تعلق نہ صرف بصارت پر منحصر ہے بلکہ حواس خمسہ ظاہری و باطنی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت ساریہؓ کا واقعہ جو بصارت و سماعت پر اثر انداز ہوا ہے اس بات کی کافی شہادت ہے۔

تاریخ الخلفا میں جلال الدین سیوطی نے بحوالہ بیہقی وابونعیم لکھا ہے۔

عن ابن عمرؓ قال وجه عمر جیشا و رأس علیهم رجلا یدعی ساریة فبینما عمر یخطب جعل ینادی یا ساریة الجبل ثلثا ثم قدم رسول الجیش فسئاله عمر فقال یا امیرالمومنین هز منا فبینما نحن فی ذالک اذ سمعنا صوتا ینادی یا ساریة الجبل ثلثا فا سند نا ظهورنا الی الجبل فهز مهم اللّٰه.	ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک لشکر روانہ کیا اور اسکا سردار ایسے شخص کو بنایا جس کو ساریہ کہتے تھے جس اثنا میں عمرؓ خطبہ دے رہے تھے تین بار پکار کر کہنے لگا اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہٹ جا لشکر کا قاصد آیا تو عمرؓ نے اس سے حال دریافت کیا اس نے کہا اے امیر المومنین ہم ہزیمت پا گئے تھے کہ اسی اثنا میں یا ساریۃ الجبل کی آواز تین بار سنی ہم نے پہاڑ کی طرف پیٹھ موڑلی خدا نے ان دشمنوں کو شکست دیدی۔

اسی تاریخ کی بعض روایتوں میں آیا ہے کہ خطبہ جمعہ کی نماز میں پڑھا گیا تھا جب حضرت عمرؓ نے خطبہ ترک کرکے یا ساریۃ الجبل دو یا تین دفعہ فرمایا تو حاضرین نے آپ پر دیوانگی کا الزام لگایا مگر جب قاصد خط لیکر آیا تو کہا ہم نے یا ساریۃ الجبل کی بلند آواز سنی اور ہم پہاڑ کی طرف ہوگئے خدا نے ہمارے دشمنوں کو شکست دیدی۔ پہاڑ جس کا ذکر روایت میں آیا ہے علاقہ نہاوند میں واقع تھا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ کہاں حضرت عمرؓ اور کہاں حضرت ساریہؓ اتنے فاصلہ پر سے حضرت عمرؓ کی آنکھوں کے سامنے ساریہ اور ان کی فوج کا نقشہ آجاتا ہے ادھر حضرت ساریہ حضرت عمر کی آواز نہاوند جیسے دور دراز کے مقام پر سن لیتے ہیں۔ یہ کیا ہے ان بزرگوں کی بصیرت کامل تھی شعور مکمل تھا اسلئے ان کی قوت باصرہ اور سامعہ اتنے فاصلہ پر وہی کام کرتی ہے جو نزدیک کی چیزوں پر کام کرسکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت کا واقعہ جن پر آیت " قل هذه سبیلی الخ" نازل ہوئی ہے نہایت تعجب خیز ہے۔ موتہ کی جنگ میں جہاں امرا کی جماعت شہید ہوئی ہے اور خالد بن ولید نے رومیوں کو شکست فاش دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں منبر پر بیٹھے ہوئے اشک جاری تھے فرمایا کہ زید بن حارثہ نے نشان لیا لڑ کر شہید ہوگیا۔ جعفر بن ابو طالب نشان لیکر لڑتے ہوئے وہ بھی شہید ہوگئے۔ عبداللہ بن رواحہ نے بھی شہادت پائی۔ خالد بن ولید کو اللہ تعالٰی نے فتح دی۔ چند روز کے بعد جب خالد بن ولید کے پاس سے یعلی بن منبہ فتح کی خوشخبری دینے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لشکر کی کیفیت تم بیان کرتے ہو یا میں بیان کروں۔ یعلی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہی فرمایئے اس پر آپ نے جنگ کا پورا نقشہ کھینچکر رکھدیا یعلی نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا آپ نے جنگ کا پورا حال بیان فرمادیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وصلعم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے اس وقت زمین کا پردہ اٹھادیا تھا آپ مدینہ میں تھے مگر موتہ کی جنگ آپکی نظروں کے سامنے ہورہی تھی۔

محققین صوفیا کی تحقیق کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت اور بصارت پر دو آیتیں شاہد عدل ہیں "ما کذب الفواد ما رای"(یعنی معراج میں آپ نے جس کو دیکھا آپ کا دل نہیں جھٹلایا) دل کو یقین کامل تھا کہ یہی ذات کبریائی ہے۔ "ما زاغ البصرو ما طغی"(یعنی

آپ کی آنکھ نہ جھکی اور نہ حد سے بڑھی) آپ نے جہاں جس جلوہ حقیقی کا نظارہ مقصود تھا دیکھ پایا۔

بصیرت کے انتہائی درجہ سے بصارت کا وہ انتہائی درجہ حاصل ہو جاتا ہے جس سے خدا کا دیدار ممکن ہو جاتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ بصیرت کے بعد بجز امام مہدی علیہ السلام کے کسی کو یہ درجہ نہیں حاصل ہو سکتا کیونکہ آپ خلیفۃ اللہ۔ معصوم عن الخطا۔ وارث نبیؑ۔ دافع بلا کت امت محمدیہ خاتم ولایت محمدیہ ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں تو تمام انبیاء اور اولیا آپ کے تابع ہیں۔ علم لکوتی میں آپ ہی سب سے بڑے عالم باللہ آپ ہی الحق بالانبیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنے والے ہیں ان صفات کے دلایل مذکور ہو چکے ہیں۔ یہ وہ صفات ہیں جن میں کوئی آپ کا مثیل و نظیر نہیں ہے اس لئے آیت بصیرت الی اللہ میں لفظ "من" سے مراد قطعاً و یقیناً امام مہدی علیہ السلام ہی ہیں لاغیر۔

چھٹی آیت قرآنی

و اذا بتلیٰ ابراھیم ربُّہ بکلمات فا تمھُن ط قا ل انی جا علک للنا س اماماً ط قال ومن ذ ریتی ط قا ل لا ینال عھدی الظا لمین. (البقرہ ۱۲۴)

(ترجمہ) جب ابراہیم کو ان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو انھوں نے ان کو پورا کر دکھایا (اللہ نے) فرمایا (اے ابراہیم) میں تجھکو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں (ابراہیم نے) کہا مجھ کو امام بنانا اور میری اولاد میں سے بھی (امام بنانا) (اللہ نے) فرمایا میرا (یہ) عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

مفسرین نے "کلمات" کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ عرب اور یہود و نصاریٰ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں۔ ہر فریق کو اس پر بڑا فخر تھا کہ ہم ابراہیمؑ کی نسل میں آپ کے طریقہ کے پیرو ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو جو ابراہیمؑ سے کیا گیا تھا اور ابراہیمؑ نے اس وقت جو دعا کی تھی اس کا ذکر کیا ہے یعنی ابراہیمؑ میرا فرماں بردار بندہ ہے میں نے اس کو کئی باتوں میں آزمایا یعنی (۱) میں نے اس کو اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا تھا وہ اس کے لئے آمادہ ہو گیا۔ (۲) میں نے اس کو ستارہ پرستوں کی محبت اور برادری بلکہ وطن چھوڑنے کو کہا تو اس نے اس حکم کی تعمیل کی وطن چھوڑ کر ملک شام میں جا رہا (۳) عرب جیسے ریگستان

میں عبادت خانہ بنانے اور اس کی حفاظت کرنے اور اپنی اولاد کو آباد کرنے کے لئے کہا تو وہ اپنے بیٹے اسمٰعیل کو وہاں بسایا اور خانہ کعبہ بنایا (۴) نمرود نے آگ میں ڈالا تو وہ ایمان پر قایم رہکر آگ میں گرنا پسند کیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جس کی تائید حضرت عائشہؓ اور حسن بصریؒ کی روایت سے ہوتی ہے کہ کلمات سے مراد وہ احکام ہیں جو طہارت روحانی اور معرفت الٰہی سے متعلق تھے مثلاً توحید۔ ایمان بالغیب۔ شمس و قمر اور ستاروں سے روگردانی۔ دس احکام طہارت جسمانی سے متعلق تھے مثلاً مونچھیں کتروانا۔ کلی کرنا ناک صاف کرنا۔ مسواک کرنا۔ سر کے بالوں کی بیچ میں مانگ نکالنا۔ ناخن تراشنا۔ بغل کے بال نکالنا موئے زیر ناف کی اصلاح۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ کا امتحان خدائے تعالیٰ نے ایمان اور جان و مال اور اولاد کے اعتبار سے لیا تھا۔ جان و ایمان کے اعتبار سے یہ کہ ابراہیم نے نمرود کی آگ میں پڑنے اور جان دینے کی پرواہ نہ کی ایمان کو سلامت رکھا۔ مال کے اعتبار سے یہ کہ ابراہیمؑ نے مہمان نوازی میں اپنا کل مال لٹا دیا۔ اولاد کے اعتبار سے یہ کہ اپنے بیٹے کی قربانی کے لئے آمادہ ہو گئے۔ بعض روایات میں جس کے راوی مجاہد وغیرہ ہیں بیان کیا گیا ہے کہ وہ باتیں تیس ہیں دس سورۂ احزاب میں دس سورۂ المومنون میں اور دس سورۂ معارج میں ہیں۔ ایک معتبر روایت میں آیا ہے کہ وہ باتیں جملہ چالیس ہیں تیس وہ ہیں جن کا ذکر بیان کیا گیا باقی دس آیت "عباد الرحمٰن اللذین یمشون علی الارض ھوناء" (الفرقان ۶۳) کے تحت سورہ فرقان میں ہیں۔

یہی وہ باتیں تھیں جن سے خدائے تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو آزمایا تھا اور وہ آزمائش میں پورے اترے۔ انھیں باتوں کے بدلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ میں تجھکو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں اس پر ابراہیمؑ نے کہا مجھے امام بنانا اور میری اولاد میں بھی امام بنانا۔ اس دعا کے جواب میں ارشاد ہوا کہ جو لوگ ظالم نہیں ہیں بلکہ تیری اولاد میں نیکوکار اور فرماں بردار ہیں انھیں امام کو پیدا کیا جائے گا۔ اور ان کو اس سے فایدہ پہنچے گا۔

اس آیت میں "و من ذریتی" کا جملہ غور طلب ہے واو کا عطف لفظ "قال" پر جو ابراہیمؑ کا قول ہے یا لفظ "قال" سے پہلے کے کسی لفظ پر بھی ہو تو معنی کی جو بے ربطی لازم آئے گی

وہ اہل علم سے متحقق نہیں اسلئے اس کا عطف کسی جملہ محذوف پر ہونا بہتر ہے جس کی تقدیر "اجعلنی اماماً ومن ذریتی اماماً" ہوگی کیونکہ آیت کے الفاظ امام کی تقدیر پر دلالت کرتے ہیں اور امام نکرہ ہے جو کلام مثبت میں واقع ہوا ہے جب "انی جاعلک اماماً" میں امام واحد ہے اور امام سے مراد ابراہیم علیہ السلام ہیں تو قال کے بعد کا جو جملہ اجعلنی اماماً مقدم ہوگا اس میں بھی امام واحد ہوگا جو تفسیر کرے گا اسی لفظ امام کی جو الناس کے بعد ہے پھر عطف کی صورت میں "ومن ذریتی" میں اماماً کا لفظ واحد ہوگا جیسا کہ آیت و ابعث فیھم رسولاً منھم میں لفظ رسول واحد ہے اس لئے ترجمہ یہ ہوگا۔ اللہ نے فرمایا کہ اے ابراہیم میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں تو حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ مجھکو امام بنانا اور میری اولاد میں بھی امام بنانا۔ یہ ترجمہ تقریباً تمام مفسرین تسلیم کرتے ہیں صرف بحث یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے امام کون ہوگا اور ذریت سے مراد بنی اسحاق ہیں یا بنی اسمٰعیل۔

اگرچہ یہ امر مسلمہ ہے کہ بنی اسحاق کی تعداد بے شمار ہے جن میں ایک لاکھ سے زیادہ پیغمبر ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بنی اسمٰعیل کی تعداد بھی بے شمار ہونے کی پیشین گوئی توریت کتاب اول باب (۱۷ و ۲۰) میں آئی ہے اللہ تعالیٰ ابراہیمؑ سے فرماتا ہے۔

قد سمعت دعاءک لاسماعیل وھا انا بارکته واثمرته وفضلته کثیراً کثیرا یُولد اثنی عشر خلیفةو اجعله جیلا کبیراً. (خطبات احمدیہ)	میں نے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں قبول کی ہاں میں نے اسے برکت دی اور اسے بارآور کیا اور اسے بہت کچھ فضیلت دی اس سے بارہ خلیفے (بیٹے) پیدا ہوں گے اسکو بڑی قوم بناؤنگا۔

توریت کتاب اول باب (۱۲، ۱۳، ۲۱) میں فرماتا ہے۔

لا یضیق صدرک علی الولد و علی امتک کما تقول لک سارةفاسمع بقولھا فا نه باسحاق یدعی نسلک وابن الامة ایضاًلانه نسلک. (خطبات احمدیه)	کہا اللہ تعالیٰ نے اور ابراہیم سے تیری نظروں میں برا نہ معلوم ہو اس لڑکے اور اپنی لونڈی کیوجہ سے جو کچھ تجھ سے سارہ کہا کی بات مان لے کیونکہ اسحاق سے تیری نسل کہلائے گی اور اس لونڈی کے لڑکے کو بھی ایک قوم بناؤں گا کیونکہ وہ تیری نسل سے ہے۔

ان بشارات سے ثابت ہے کہ خدا نے بنی اسمٰعیل کو بھی بڑی قوم بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ جب حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے تو ان سے کتنی اولاد پھیلی ہوگی ظاہر ہے مثال کے طور پر دیکھو کتاب بحر الانساب میں امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ عنہم کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے (۳۹) فرزند تھے ایک روایت میں (۴۲) فرزندوں کی صراحت آئی ہے جب صرف ایک امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں جو بتوسط رسول اللہ صلعم و فاطمہؓ اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں ہیں اتنی تعداد ہو تو پھر حضرت اسمٰعیل کی دوسری اولاد اور اولاد کی اولاد کس قدر پھیلی نہ ہوگی یہ ہے توریت کی بشارت کی صداقت کہ ہاجرہ کے لڑکے کو بڑی قوم بناؤں گا۔

اس تحقیق سے ثابت ہے کہ اگر بنی اسحاق کی تعداد بے شمار ہوئی ہے تو بنی اسمٰعیل کی تعداد بھی بے گنتی ہے لیکن بنی اسحاق اور بنی اسمٰعیل میں جو نمایاں فرق نظر آتا ہے وہ یہ ہے بنی اسحاق میں ایک لاکھ سے زیادہ پیغمبر ہوئے ہیں ان میں جو مشہور ہیں انکا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے مثلاً حضرت یعقوبؑ۔ یوسفؑ۔ موسیٰؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ ذکریاؑ۔ یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور بنی اسمٰعیل میں صرف ایک پیغمبر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اگر حضرت ابراہیم کی دعا میں امام سے مراد کوئی ایک پیغمبر لیا جائے تو وہ یا تو بنی اسحاق سے ہوگا یا بنی اسمٰعیل سے۔ اگر بنی اسحٰق سے مراد لیں تو چونکہ آیت میں امام کا لفظ واحد اور نکرہ ہے جو کلام مثبت میں آیا ہے اس لئے بنی اسحاق میں بہت سے پیغمبروں میں کسی ایک پیغمبر کو تسلیم کرنا ہوگا جس سے ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی یعنی امام سے مراد کوئی ایک اولاد یعقوب سے لیں تو کہا جائے گا یوسف سے کیوں نہیں۔ یوسف کہیں تو موسیٰ کیوں نہیں پھر داؤد کیوں نہیں سلیمان کیوں نہیں علی ہذا القیاس ذکریا۔ یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کیوں نہیں۔ برعکس اس کے کہ بنی اسمٰعیل سے مراد لیں تو چونکہ بنی اسمٰعیل میں ایک ہی پیغمبر ہیں اسلئے بقول مفسرین رسول عربی ہی معین ہو سکتے ہیں۔ یوں بھی جب خدائے تعالیٰ نے بنی اسحٰق میں ایک لاکھ سے زیادہ پیغمبر پیدا کئے ہیں تو پھر امام کا بنی اسحاق سے کوئی پیغمبر ہونا قرین قیاس نہیں بجز پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

اگر پیغمبر عربی مراد ہوں تو پھر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ بنی اسمٰعیل میں امام سے مراد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں یا اور کوئی جو امام کے نام سے موسوم ہو سکے۔ اس وقت وہ آیت زیر بحث آسکتی ہے جس میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت اپنی اولاد میں سے ایک رسول پیدا کرنے کے لئے دعا فرمائی ہے۔

وَاذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل ربنا تقبل منا ط انک انت السمیع العلیم ہ ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امة مسلمة لک وارنا منا سکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم ہ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمة و یزکیھم ؕ انک انت العزیز الحکیم. (البقرہ ۱۲۷۔۱۲۹)	اور (یاد کرو اس واقعہ کو) جبکہ ابراہیم و اسمٰعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ (انھوں نے یہ دعا کی) اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول کر بیشک تو (دعا کو) سنتا اور جانتا ہے ۔ اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک فرماں بردار گروہ پیدا کر اور ہم کو حج کا دستور بتا اور ہماری توبہ قبول کر بیشک تو توبہ قبول کرنیوالا اور رحیم ہے۔ اے ہمارے رب ان میں یعنی ہماری اولاد سے ایک رسول کو مبعوث کر جو تیری آیات ان کے سامنے تلاوت کرے اور ان کو کتاب و حکمت سکھائے اور انکو پاک کرے بیشک تو ہی زبردست حکمت والا ہے

اس آیت میں منجملہ اور دعاوں کے اولاد ابراہیمؑ سے ایک رسول کو مبعوث کرنے کی دعا بھی ہے۔ مفسرین نے رسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لی ہے جو صحیح اور قطعی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم کے ساتھ حضرت اسمٰعیل کا دعا میں شریک رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول بنی اسحاق سے نہ ہوگا اور حدیث نبوی سے بھی جو عرباض سے مروی اور جسکی تخریج امام احمد نے کی ہے۔ رسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ثابت ہوتے ہیں۔

قال انی عند اللہ فی ام الکتاب لخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینه و سا خبرکم عن بدء امری انا دعوة ابراھیم و ھو یرفع ابراھیم القواعد من البیت. ربنا وابعث فیھم رسولاًمنھم و بشریٰ عیسیٰ و رویا امی التی رأت حین وضعتنی رأت انه یخرج منھا نوراضاء ت له قصورالشام ببصریٰ.	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں علم الٰہی میں اس وقت خاتم النبیین تھا جبکہ آدم کی سرشت نہیں ہوئی تھی اور میں تم کو اپنی ابتدائی حالت سے مطلع کرتا ہوں وہ یہ کہ میرے لئے ابراہیم نے اس وقت دعا کی تھی جب وہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھا اے رب ان میں سے ایک رسول کو مبعوث کر جو انھیں میں سے ہو اور میرے آنکی عیسیٰؑ نے بشارت دی ہے اور میری والدہ نے میری ولادت کے موقع پر ایک خواب دیکھا تھا کہ ان سے ایسا نور پھیلا ہے کہ شام کے ایک شہر بصریٰ کے محل روشن ہوگئے ہیں۔

جس طرح آیت "قال انی جاعلک للناس اماماًقال ومن ذریتی" سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد سے ایک امام کے لئے دعا کی ہے تو اسی طرح "و ابعث فیھم رسولاًمنھم" سے بھی ایک رسول کو مبعوث کرنے کی دعا ثابت ہوتی ہے لیکن جس آیت میں رسول کو مبعوث کرنیکی دعا کی گئی ہے وہ ایسے وقت کی گئی ہے جبکہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے جیسا کہ " اذ یرفع ابراھیم " کے الفاظ دال ہیں۔ اور وہ آیت جس میں امام کو پیدا کرنے کی دعا کی گئی ہے وہ ایسے وقت کی گئی ہے جبکہ کعبہ کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے چنانچہ اس کی تفسیر کے تحت نمبر (۴) میں بتایا گیا ہے۔ عرب جیسے ریگستان میں عبادت خانہ بنانے اس کی حفاظت کرنے اور اپنی اولاد کو آباد کرنے کہا تو وہ اپنے بیٹے اسمٰعیل کو بسایا اور خانہ کعبہ بنایا" علاوہ اس کے اسی آیت کے بعد " اذ جعلنا البیت مشابةً للناس وامنا " کی صراحت آئی ہے یعنی ہم نے ابراہیم کو کئی باتوں میں آزمایا تو اس کو پورا پایا منجملہ ان کے سب سے بڑی بات کعبہ کی تعمیر تھی اس لئے ہم نے کعبہ کو ثواب حاصل کرنیکی اور امن کی جگہ بنایا" غرض مفسرین کی تفسیر سے واضح ہے کہ امام کی دعا تعمیر کعبہ کے بعد کی ہے۔

چونکہ قرآن شریف میں امام کے لفظ والی آیت پہلے آئی ہے رسول کے لفظ والی آیت بعد میں مذکور ہے تو اس سے کوئی ہرج نہیں۔ تفسیر بیان السبحان میں لکھا ہے کہ آیات قرآن کا پہلے اور بعد ہونا یا بعد اور پہلے کوئی چیز نہیں دیکھو سورہ اقراء پہلے نازل ہوئی ہے اور تیسویں پارہ میں مذکور ہے اس

کے بعد سورہ فاتحہ نازل ہوئی ہے جو قرآن میں سب سے پہلے ہے اسی طرح آیت کلالہ آخری آیت ہے جس کا ذکر ترکات کے سلسلہ میں ساتویں جزو میں مذکور ہے قطع نظر تقدم و تاخر کے منطق کے اصول سے غور طلب امر یہ ہے کہ امام خاص اور رسول عام ہے اس لئے مفسرین نے یہ صراحت کی ہے کہ پہلے خاص لفظ کہکر اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد لی گئی ہے تو پھر عام لفظ کہکر اس سے بھی رسول اللہ صلعم کی ذات مراد ہے حالانکہ واقعہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ جب کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو رسول کے لفظ کے ساتھ دعا کی گئی اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہو چکے کعبہ کی تعمیر کے بعد جب امام کے لئے دعا کی گئی ہے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں ہو سکتے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام کا فرد کامل رسول ہے اور امام و رسول میں عام خاص مطلق کی نسبت قرار دی جا سکتی ہے کیونکہ ہر رسول امام اور ولی ہو سکتا ہے لیکن امام اور ولی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ رسول بھی ہوں۔

رسول اور امام کے الفاظ میں تساوی کی نسبت بھی نہیں کہ ایک دوسرے پر صادق آسکیں۔ اگر لفظ رسول و امام کو تاکید تسلیم کریں تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ تاکید لفظی ہوتی ہے یا معنوی۔ تاکید لفظی میں لفظ مکرر آتا ہے تاکید معنوی میں الفاظ مترادف اور متساوی المعنی ہوتے ہیں یہاں یہ صورتیں نہیں ہیں۔

پھر اصولیین کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ تاکید کے مقابل میں تاسیس کو بہتر سمجھتے ہیں اس اصول سے امام سے مراد رسول اللہ صلعم نہیں ہو سکتے۔

اگر ہم رسول و امام کی دونوں آیتوں کو حالانکہ وہ ایک ہی رکوع میں آئی ہیں ایک دوسرے کا اجمال و تفصیل سمجھیں تو یہ صورت بھی ممکن نہیں کیونکہ امام کے لفظ کے ساتھ ایسے الفاظ نہیں ہیں جو کنایۃً و اشارۃً رسول کی وضاحت کریں اسی طرح رسول کے لفظ کے ساتھ بھی ایسے الفاظ نہیں ہیں جو کسی طرح امام کی وضاحت کریں۔

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ رسول امام کی دونوں دعائیں ایک شخص یعنی رسول اللہ صلعم کے لئے ہیں تو تکرار دعا لازم آئے گی اس سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید پہلی دفعہ دعا کی قبولیت کا یقین نہیں ہوا تھا اس لئے لفظ رسول کو بدل کر امام کے لفظ کیساتھ دوبارہ دعا کی گئی ہے حالانکہ یہ بات پیغمبروں کی شان سے بعید ہے ان کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ بہر حال جب رسول کے لئے دعا قبول ہو چکی ہے اور وہ لفظ فرد کامل ہے تو دوبارہ دعا کی ضرورت نہیں اس سے ثابت ہے کہ امام سے مراد رسول اللہ صلعم نہیں ہو سکتے پھر تو آپ کے سوا کوئی اور شخص مراد لینا پڑے گا۔

اس سے پہلے جو حدیث عرباض لکھی گئی ہے اس میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو دعائے ابراہیم کا ذکر کرتے ہوئے صرف اس آیت کا حوالہ دیا ہے جسمیں رسول کا لفظ ہے یعنی " وابعث فیھم رسولاً منھم". اگر امام سے مراد آپ ہی ہوتے تو " قال ومن ذریتی " کی آیت کا حوالہ بھی ضرور دیا جاتا اس سے بھی قطعاً ثابت ہے کہ امام سے مراد رسول اللہ صلعم کی ذات اقدس نہیں ہے۔

جب امام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد نہیں ہے تو پھر ایسی ذات اقدس مراد لیجا سکتی ہے جو اپنی خصوصیات میں ممتاز اور پیغمبرانہ شان یا متصف بہ سیرت رسول اللہ صلعم ہو۔

اگلی بحثوں میں امام مہدی علیہ السلام دعوت بصیرت الی اللہ میں تابع رسول اللہؐ اور آپ کے نشان قدم پر چلنے والے معصوم عن الخطا خلیفۃ اللہ دافع ہلاکت امت محمدیہ ثابت ہو چکے ہیں اس لئے امام سے مراد

آیت ما بہ البحث میں مہدی علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں لاغیر۔

ساتویں آیت قرآنی

ثم انّ علینا بیانه (القیامة ۔ ۱۹)

ترجمہ:۔ پھر ہم پر اس کا بیان ہے

خطبات احمدیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ انجیل یوحنا باب (۱۴) آیت (۲۵و۲۶) میں لکھا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"فارقلیط جس کو باپ اس کے نام سے بھیجے گا وہ ہر بات تم کو بتا دے گا۔ اور ہر وہ بات تم کو یاد دلا دے گا جو میں نے تم سے کہی ہے۔"

اس قول سے صرف فارقلیط کی پیشین گوئی ثابت ہے تفسیر تاویلات میں عیسیٰ علیہ السلام کا ایک اور قول نقل کیا گیا ہے۔

قال عیسیٰ نحن نأتیکم بالتنزیل واما التاویل فسیاتی به المھدی فی آخر الزمان	عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم پیغمبر تمھارے پاس تنزیل لے کر آتے ہیں لیکن عنقریب مہدی آخر زمانہ میں تاویل لائیں گے۔

اس قول میں "نأتیکم" جمع کا صیغہ ہے اور وہ اس بات کی دلیل ہے کہ تنزیل بلا تاویل

پیغمبروں کا کام ہے اور عیسیٰ علیہ السلام عمومیت کے ساتھ تمام پیغمبروں کی طرف سے فرما رہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیغمبر ہونے کے اعتبار سے اسمیں شریک ہو سکتے ہیں اور تنزیل کی تاویل کے زمانہ کو مہدی علیہ السلام کے ظہور پر موقوف رکھا گیا ہے۔ تاویل سے مراد بیان قرآن ہے جس پر آیت "ثم ان علینا بیانه" دلالت کرتی ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ معلوم ہوگی۔

شیخ شہاب الدین اشراقی المشہور بالمقتول نے ہیاکل النور میں لکھا ہے۔

ویجب علی المستبصران یعتقد صحة النبوات وان مثالهم تشیر الی الحقایق کما ورد فی المصحف(و تلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون) وکما انذ ر بعض النبوات (اریدان افتح فمی با لامثال)فالتنز یل موکول الیٰ الانبیا و التا ویل والبیان موکول الی المظهر الاعظم الانوری الاروحی الفارقلیط کما انذرالمسیح حیث قال انی اذهب الیٰ ابی و ابیکم یبعث الیکم الفار قلیط الذی ینبئکم بالتاویل ان الفارقلیط الذی یرسل ابی باسمه یعلمکم کل شئی قد اشیر الیه فی المصحف حیث قال (ثم ان علینا بیانه)(وثم للتراخی)۔	مستبصر کو انبیا کے صحیح ہونے کا اعتقاد واجب ہے۔ اور اس امر کا کہ ان کی مثالیں حقایق کی طرف اشارہ کرتی ہیں جیسا کہ مصحف میں وارد ہے کہ ہم یہ مثالیں لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں اور ان کو علماء ہی سمجھتے ہیں اور جیسا کہ بعض انبیاء نے خبر دی ہے کہ میں ان مثالوں کو بیان کرنے میں اپنا منہ کھولتا ہوں پس تنزیل انبیاء سے متعلق ہے اور تاویل و بیان اس شخص کی ذمہ داری پر موقوف ہے جو زیادہ نورانی اور روحانی مظہر اعظم ہے جس کو فارقلیط کہتے ہیں جیسا کہ مسیح نے اطلاع دی ہے کہ میں اپنے اور تمھارے باپ کی طرف جاتا ہوں تا کہ وہ تمھاری طرف فارقلیط کو بھیجے۔ جو تم کو تاویل بتائے وہ فارقلیط جس کو میرا باپ اس کے نام سے بھیجے گا تم کو ہر چیز سکھا دیگا مصحف میں **ثم ان علینا بیانه** جو فرمایا گیا ہے اس کا ارشاد اسی کی طرف ہے اور ثم تراخی کے لئے موضوع ہے۔

حاشیہ ہیاکل النور میں لکھا ہے۔

قوله الی المظهر الاعظم الانوری الخ یقال انه المهدی علیه السلام	ماتن ہیاکل النور کا قول جو بہت زیادہ نورانی مظہر اعظم کہا گیا ہے اس سے مراد مہدی علیہ السلام ہیں۔

شرح ہیاکل النور میں جلال الدین محقق دوانی نے لکھا ہے۔

قوله والبیان موکول ای بیان تلک الحقایق موکول الی المظهر الاعظم الانوری الاروحی الفارقلیط منسوب الیٰ فارقلیطیٰ بالفاء ثم الالف ثم الراء المکسورة ثم القاف الساکنة ثم اللام المکسورة ثم الیا ثم الطاء ثم الالف المقصورةلفظ عبرانی ومعناه الفارق بین الحق والباطل والمراد به مظهر الولا یة هی باطن النبوة.	ماتن کے قول والبیان موکول کا مطلب یہ ہے کہ ان حقایق کو بیان کرنا جو صوری حجاب سے معرا ہیں اس نورانی روحانی مظہر اعظم فارقلیط کے ذمہ ہے جو فارقلیطی سے منسوب ہے اس کا املا ف پھر الف پھر رائے مکسورہ پھر قاف ساکن پھر لام مکسورہ پھر یا پھر طا پھر الف مقصورہ سے ہے یہ لفظ عبرانی زبان کا ہے اس کے معنی حق و باطل میں فرق کرنے والے کے ہیں اور مراد اس سے مظہر ولایت ہے جو نبوت کا باطن ہے۔
(ایضاً) قد اشیرالیه فی المصحف حیث قال ثم ان علینا بیانه و ثم للتراخی یعنی انه یعلم من قوله ثم ان علینا بیانه ان تمام الکشف عن حقایقه ما انبا به من صور الاوضاع المنزلة علی الخاتم و تجرید ها عن ملا بس الصور بالکلیة متراخ عن زمانه بانه یظهر فی زمان من هو فار قلیط و مظهر الولایة الخاصة له و تلک الحجاب الرقیقة بحکم مقتضی النبوة موقوفا موکولا کشفه الیٰ مظهر ولایه الخاصة المحمدیة مراعاة لما هو المناسب من استعداد الزمان۔	قرآن میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا ہے پھر ہم پر اس کا بیان ہے ثم تراخی کیلئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے جو ثم ان علینا بیانه سے معلوم ہوتا ہے کہ خاتم پر نازل شدہ اوضاع و اطوار کے حقایق کا کامل کشف اور ظاہری لباس سے بے پردہ بیان خاتم نبوت سے متراخی ہے اور اس کا ظہور فارقلیط کے زمانہ میں ہوگا جو آنحضرتؐ کے ولایت خاصہ کا مظہر ہے اقتضائے نبوت کے مطابق جو رقیق حجاب حائل ہیں ان حجابوں کا دور کرنا بھی اہل زمانہ کی استعداد و قابلیت کا لحاظ کرتے ہوئے ولایت خاصہ محمدیہ کے مظہر پر موقوف ہے۔

ان اقوال سے ثابت ہے کہ مشاہیر اہل سنت بھی اس بات کے قایل ہیں کہ قرآن کے معارف وحقایق کا صحیح انکشاف یا ان کا حقیقی بیان مظہر ولایت خاصہ محمدیہ مہدی علیہ السلام پر موقوف ہے اور قرآن شریف میں ثم ان علینا بیانہ کا تعلق آپ ہی کے بیان اور زمانہ سے ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرامین یا بشارات میں خود فارقلیط سے مراد مہدی علیہ السلام ہونا ظاہر ہو چکا ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح آیت قرآن شریف " یاتی من بعد اسمه احمد (یعنی میرے بعد ایک شخص آئے گا جس کا نام احمد ہے) سے جو عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبشر عیسیٰ علیہ السلام ثابت ہوتے ہیں اسی طرح فارقلیط کی پیشین گوئی اور تفسیر تاویلات کے مصرحہ قول " نحن تاتیکم بالتنزیل واما التاویل فسیاتی به المهدی فی آخر الزمان " سے جو عیسیٰ علیہ السلام کا قول ظاہر کیا گیا ہے مہدی علیہ السلام مبشر عیسیٰ علیہ السلام ثابت ہوتے ہیں اور بیان قرآن اس کے حقایق کے ساتھ بزبان مہدی ہوگا۔ یہی مطلب ہے آیت "ثم ان علینا بیانه" کا۔

اس وقت صرف ایک بحث باقی رہ جاتی ہے جو آیت "ثم ان علینا بیانه" سے متعلق ہو سکتی ہے جس کو شیخ مقتول اور محقق دوانی نے اپنے اقوال کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قدرے اس کی تفصیل بیان کر دی جائے۔

حدیث عمر بن الخطابؓ سے جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں "قال فبینما نحن عند رسول الله صلی الله علیه و سلم ذات یوم اذطلع علینا رجل" الخ ظاہر ہے کہ ایک اجنبی شخص آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام۔ ایمان اور احسان کی تعریف پوچھتا ہے آپ اسکو تعریف سمجھاتے ہیں اور وہ ہر وقت صداقت کے الفاظ کہکر چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلعم حضرت عمرؓ سے فرماتے ہیں کیا تم جانتے ہو یہ کون شخص ہے حضرت عمرؓ اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں اس پر رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ یہ جبرئیل تھے جو علم دین سکھانے کیلئے تمھارے پاس آئے تھے۔ جیسے کہ اس حدیث کے الفاظ (اتاکم یعلمکم دینکم" یعنی تمھارے پاس تم کو علم دین سکھانے کے لئے آئے تھے) سے ظاہر ہے۔ اسلام۔ ایمان اور احسان کا نام دین ہے اور اسلام وایمان کی تعلیم اوائل اسلام میں مکمل طور پر دیجا چکی ہے کیونکہ جو لوگ مسلمان ہونا چاہتے تھے انھیں

شہادتین پڑھا کر مسلمان بنایا جاتا تھا اور مسلمان حسب احکام قرآن نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ کے پابند اور ایمانیات پر ثابت قدم تھے پھر یہی طریقہ جاری رہا۔

کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ احسان کی تعلیم کس طرح دیجاتی تھی جبکہ حدیث عمرؓ میں احسان کی نسبت جبرئیل کو جن الفاظ میں جواب دیا گیا ہے یہ " ان تعبد الله کانک تراه وان لم تکن تراه فانه یراک " (یعنی تم کو اللہ کی عبادت اس طرح کرنی چاہئے گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہ دیکھتے ہو تو وہ تم کو دیکھتا ہے) اس سے طریقہ تعلیم کی چگونگی یا اس کے راز کا انکشاف نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں

لقد حفظت عن رسول الله صلعم وعائین فاما احدهما فبثثه واما الاخر لو بثثه لقطع هذا البلعوم	میں نے رسول اللہ صلعم سے دو ظرف محفوظ رکھے ہیں ایک کو میں نے ظاہر کر دیا اگر دوسرے کو ظاہر کردوں تو یہ میرا حلق کٹ جائے گا۔

اس روایت میں جن دو ظرفوں کا ذکر آیا ہے ان میں ایک علم احکام واخلاق ہے اور دوسرا علم اسرار ہے چنانچہ فصل الخطاب میں اسی روایت کی نسبت لکھا ہے۔

المراد بالاول علم الاحکام والاخلاق والثانی علم الاسرار.	پہلے ظرف سے مراد علم احکام و اخلاق ہے دوسرے سے علم اسرار۔

بخاری کی شرح ارشاد الساری میں دوسرے ظرف کی نسبت لکھا ہے۔

المراد به علم الاسرار المصئون من الاغیار المختص بالعلماء بالله من اهل العرفان والمشاهدات والاتقان.	اس سے وہ علم اسرار مراد ہے جو اغیار سے محفوظ اور علمائے باللہ سے مخصوص ہے جو اہل عرفان و مشاہدات میں ہیں۔

علم احکام واخلاق وہ علم ظاہر ہے جو سب پر ظاہر کر دیا گیا یہی علم شریعت ہے۔ اور علم اسرار وہ علم باطن ہے جس کی تعلیم کھلے طور پر نہیں دیگئی وہی احسان ہے۔

احسان کی تعلیم کھلے طور پر نہ دی جانے کی وجہ یہ تھی کہ یہ احکام خاص ولایت محمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور احکام شرعی سے زیادہ سخت ہیں۔ اگر ابتدائے اسلام میں ان احکام کی تعلیم دیجاتی تو لوگ

تنگی محسوس کرتے۔ انبیا کی دعوت اورنزول قرآن شریف کا منشا یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ابتداہی میں لوگوں کو مشکلات کا سامنا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے۔

ادع الیٰ سبیل ربک با لحکمة و الموعظه الحسنة. (النحل ۱۲۵)	اے نبی اپنے پروردگار کی طرف حکمت اور نیک نصیحت سے بلاؤ۔

تفسیر عرائس البیان میں علامہ روز بہان نے لکھا ہے۔

ای خاطب الجمهور بلسان الشریعة لا بلسان الحقیقة فان تکلمت معهم بالحقیقة طاشت العقول فیها و بقیت الخلق بلافهم و علم والموعظة الحسنة التی لاحظ بالنفس فیها و یکون علیٰ قدرعقولهم وطاقتهم.	اے محمدؐ جمہور سے شریعت کی بذبان میں کلام کرو۔ نہ کہ حقیقت کی زبان میں اگر تم ان کے ساتھ حقیقت کے لہجہ میں کہو تو انکی عقلیں پراگندہ ہوجائیں گی اور خلائق بلا فہم وعلم رہ جائیں گے اور نیک نصیحت وہ ہے جس میں حظ نفس نہ ہو اور خلایق کی عقل اور طاقت کے موافق ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے

لو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک. (آل عمران ۱۵۹)	اگر تم احکام فرض کرنے میں سخت دل ہوتے تو لوگ تمھارے اطراف سے منتشر ہوجاتے۔

تفسیر عرائس البیان میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے۔

لو کان النبی یدقق علیهم الحقیقة اگر نبی حقیقت کے احکام بیان کردیتے تو ان
ضاقت صدورهم ولم یتحملو االثقال کے سینے تنگ ہوجاتے اور برداشت نہ کرسکتے وہ
حقیقة الاداب فی الطریق ولکن ما حقیقت آداب کا بوجھ۔ لیکن آپ نے ان کے
معهم بالشریعة والرخص وتصدیق ساتھ نرمی کی شریعت اور رخصتی احکام میں اس کی
ذالک قوله تعالیٰ فاعف عنهم تصدیق خدا کا وہ قول ہے کہ ان کو معاف کرو اور
واستغفرلهم. ان کے لئے مغفرت چاہو۔

آنحضرتؐ نے تبلیغ احکام میں جس حکمت عملی سے کام لیا تھا اس کو صاحب تفسیر کبیر امام فخر

الدین رازی نے اس طرح روایت کی ہے۔

انه قال لقد احسن اللّٰه الینا کل الاحسان کنا مشرکین فلوجاء نا رسول اللّٰه بهذا الدین جملة و بالقران دفعةً لثقلت هذه التکالیف علینا فما کنا ندخل الاسلام ولکنه دعانا الی کلمة واحدة علی سبیل الرفق الی ان تم الدین وکملت الشریعة	اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہم شرک تھے اگر رسول اللہ سارے احکام ایک ہی مرتبہ فرض کردیتے اور پورا قرآن دفعۃً نازل ہوجاتا سارے احکام کی تعمیل دشوار ہوجاتی ہم اسلام میں داخل نہ ہوتے لیکن آپ نے ہم کو دین اسلام کی طرف نرمی سے بلایا یہانتک کہ دین پورا ہوگیا اور شریعت کامل ہوگئی۔

ان اقوال سے ثابت ہے کہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال تک دعوت توحید و رسالت فرمائی اور بڑی حکمت عملی اور نیک نصیحت سے شریعت کے احکام کی تعمیل کرائی اب رہے حقیقت یا احسان کے احکام جن کی تعلیم کھلے طور پر نہیں ہوئی ان کا تعلق ولایت محمد یہ کے خاتم حضرت مہدی علیہ السلام سے ہے اور "ثم ان علینا بیانه" یعنی یہ کہ معانی قرآن کا بیان پھر ہم پر ہے یا ہم اس کے ذمہ دار ہیں کی آیت کا مطلب یہی ہے اور یہ احکام تاخیر کے ساتھ بزبان مہدی ظاہر ہوں گے۔

اگر یہ کہا جائے کہ لفظ ثم جو تراخی و تاخیر کے لئے آتا ہے تو اس کی کوئی حد بھی معین ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے تھوڑی تاخیر بھی جائز ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں جاء زید ثم عمر یعنی زید آیا اس کے بعد عمر آیا۔ زیادہ سے زیادہ تاخیر قیامت تک بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ "ثم انّ علینا حسابهم" سے ظاہر ہے۔ لیکن آیت زیر بحث "ثم ان علینا بیانه" کی تاخیر ظہور مہدی علیہ السلام پر موقوف ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ "ثم ان علینا بیانه" سے پہلے کی آیتیں شبہ ظاہر کرتی ہیں کہ معانی قرآن کے بیان میں زیادہ تاخیر نہ ہوئی ہوگی جبکہ بیان قرآن اوائل اسلام اور رسول اللہ صلعم کی زندگی میں ہونا ثابت ہوسکتا ہے اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ آیت "ثم انّ علینا بیانه" کے پہلے کی آیتیں یہ ہیں۔

(۱) لا تحرک به لسانک لتعجل به۔	وحی پڑھنے کیلئے اپنی زبان کو جلد حرکت نہ دو۔
(۲) ان علینا جمعه و قرآنه.	اس کا جمع کرنا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔
(۳) فاذا قرأناه فاتبع قرآنه.	جب وحی پڑھی جائے (اس کو سنتے رہو) پھر اسی طرح پڑھو۔

اکثر تفاسیر میں بیان کیا گیا ہے ادہر جبرئیلؑ وحی سنانے لگے ادھر ساتھ ساتھ آنحضرت بھی پڑھتے جاتے تھے اور خیال یہ تھا کہ بھول نہ جاؤں اس لئے جلدی کرنے سے منع کیا گیا پھر یہ بھی ارشاد ہوا کہ وحی کو دل میں جمع کر دینا اور اس کو پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ جس وقت ہم جبرئیلؑ کے ذریعہ وحی پڑھیں (اس کو سنو) اور پھر اسی طرح دہراؤ۔

یہ آیتیں صرف الفاظ سے متعلق ہیں اور آیت "ثم ان علینا بیانه" کا تعلق الفاظ کے پڑھوا دینے یا دل میں جمع کر دینے یا الفاظ کے دہرانے سے نہیں ہے بلکہ معانی قرآن سے متعلق ہے جیسا کہ اس کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔

"پھر اس کے (معانی) کا بیان ہمارے ذمہ ہے"۔ دیکھو قرآن شریف مترجمہ فتح محمد صاحب جالندھری۔ علاوہ اس کے "ثم" کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس آیت کو ماقبل کی آیتوں سے کوئی تعلق نہیں جبکہ یہ لفظ "ثم" ترتیب مع التراخی کیلئے آتا ہے۔

شیخ شہاب الدین مقتول کے قول اور محقق دوانی کی تشریح سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آخر زمانہ میں فارقلیط کے آنے کی خبر دی ہے اور قرآن کی آیت "ثم ان علینا بیانه" سے تراخی کے ساتھ جس بیان معانی قرآن کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بزبان فارقلیط ہوگا اور فارقلیط سے مراد خاتم ولایت محمدیہ یعنی مہدی علیہ السلام ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ آیت "ثم ان علینا بیانه" میں جس بیان معانی کا وعدہ کیا گیا ہے وہ آنحضرتؐ کے زمانہ ہی میں ہو گیا ہے تو یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کے خلاف ہے جو آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تنزیل کا لانا ہم پیغمبروں کا کام ہے اور تاویل آخر زمانہ میں فارقلیط

یعنی مہدی علیہ السلام لائیں گے۔

آیت "ثم ان علینا بیانه" میں لفظ ثم کا تاخیر پر دلالت کرنا اس وجہ سے بھی محقق ہے کہ یہ آیت سورۂ قیامت میں آئی ہے جس میں تمام بشارات کم و بیش تاخیر سے وقوع میں آنے والی ہیں۔ اگر اس آیت "ثم ان علینا بیانه" میں معانی کے بیان میں تاخیر مقصود نہ ہوتی تو اس کا سورۂ قیامت میں ذکر نہ کیا جاتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حقائق قرآنی کا بیان اتنی تاخیر سے ہو تو گزشتہ زمانہ کے مسلمانوں کا محروم از فیض بیان ہونا لازم آجائے گا اس کا جواب خود زمانہ کے اقتضا سے لینا چاہئے جس کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہؓ نے علم اسرار کے بیان کرنے میں حلق کٹ جانے کا عذر کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تنزیل کے بیان کی تاویل کو مہدی علیہ السلام کے آخر زمانہ سے متعلق ہونا بیان کیا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اوائل اسلام کی فضا اسرار کو ظاہر کر کے لوگوں کو تنگی میں ڈالنے یا محسوس کرا دینے کے قابل نہ تھی۔

اسرار یعنی مسائل احسان پر کیا موقوف ہے بہت سے قرآنی حقائق کی تاویل اور ان کا بیان بعد وفات رسول اللہ صلعم اور آخر زمانہ قیامت میں ہونا ظاہر ہے جیسا کہ معالم التنزیل میں لکھا ہے۔

ان القرآن نزل منه آی قد مضیٰ تاویلهن قبل ان ینزلن و منه ای وقع تاویلهن علی عهد رسول الله ومنه ای واقع تاویلهن بعد رسول الله ومنه ای یقع تاویلهن فی آخر الزمان.	قرآن کا بعض حصہ ایسا ہے جسکی تاویل اس کے نزول سے پہلے ظاہر ہو چکی ہے اور بعض حصہ ایسا ہے جسکی تاویل رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں ظاہر ہو چکی ہے اور بعض حصہ ایسا ہے جس کی تاویل بعد رسول اللہ ہوگی اور بعض حصہ ایسا ہے جس کی تاویل آخر زمانہ میں ہوگی۔

اس سے ظاہر ہے کہ جن قرآنی حصوں کی تاویل بعد وفات رسول اللہ صلعم اور آخر زمانہ میں ہوگی ان سے گذشتہ زمانہ کے مسلمان فیض بیان سے محروم ہوں تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی۔

صحیح یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام بموجب حدیث "یختم الله به الدین کما

فتحه بنا" (یعنی ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہدی پر دین کو ختم کریگا جیسا کہ ہم سے شروع کیا ہے) خاتم دین ہیں اس لئے ولایت محمدیہ کے احکام کی تبلیغ و دعوت بزبان امام مہدی تاخیر کے ساتھ ہونا ضروری ہے جبکہ لوگ احکام شریعت کے پابند اور عادی ہو کر احکام ولایت کو برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں یہی مطلب ہے "ثم ان علینا بیانه" کا۔فقط

آٹھویں آیت قرآنی

یاایھاالذین آمنو امن یرتد منکم عن دینہٖ فسوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبھم ویحبونه اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللّٰہ ولا یخافون لومة لایم ذالک فضل اللّٰہ یوتیه من یشاء واللّٰہ واسع علیم. (المائدہ۔۵۴)

(ترجمہ:اے ایمان والو جو لوگ تم میں سے اپنے دین سے پھر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جس کو اللہ دوست رکھے گا اور اللہ کو وہ دوست رکھیں گے مومنین کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں سخت ہوگی۔ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ ڈرے گی یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ وسیع فضل والا علیم ہے۔)

اس آیت میں " فسوف یاتی اللّٰہ بقوم" کا جملہ اور اس کے ماقبل و مابعد کی آیتیں ہمارے دعویٰ کو ثابت کرتی ہیں ۔اس آیت میں " یاتی " مضارع کا صیغہ ہے جس کے پہلے "سوف" کا لفظ آیا ہے جس سے مضارع مستقبل بعید کے معنی دیتا ہے اور "بقوم" میں بائے تعدیہ ہے یا بمعنی مصاحبت ہے۔اگر بائے تعدیہ تصور کریں تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو مستقبل بعید میں لائے گا اور بمعنی مصاحبت لیں تو ترجمہ یہ ہوگا۔اللہ مستقبل بعید میں ایک قوم کے ساتھ آئے گا۔

قرآن شریف میں بائے تعدیہ کا استعمال لفظ یاتی کیساتھ اکثر جگہ آیا ہے لیکن بائے مصاحبت کا استعمال بہت کم آیا ہے۔مثال کے طور پر ایک آیت پیش کی جاتی ہے۔

ولا تعضلو ھنّ لتذ ھبوابیعض ما آتیتمو ھن الا ان یا تین بفا حشة مبینة.(النساء ۱۹)	یعنی تم نے عورتوں کو جو کچھ دیا ہے اسکو لینے کے لئے انھیں نہ روکو مگر جب کہ وہ بدکاری کے ساتھ آئیں یعنی بدکاری کے مرتکب ہوں تو روکو۔

اس آیت میں "بفاحشة" کے معنی بدکاری کیساتھ ہو رہے ہیں۔

اس صورت میں "فسوف یاتی اللّٰہ بقوم" کی آیت میں قوم سے مراد قوم مہدی اور لفظ اللہ سے مراد امام مہدی علیہ السلام کا ظہور مراد ہو سکتا ہے۔

آیت مذکور میں لفظ "اللّٰہ" سے کسی مامور من اللہ کا ظہور مراد لیا جائے تو یہ بات اسی اصول کے تحت ہوگی جو علما ءاسلام کے مسلمات سے ہے جیسا کہ توریت کی بشارت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان اللّٰہ طلع من سینا اشرق لھم من السیعیر و من جبل فاران تجلیٰ(خطبات احمدیہ)	اللہ تعالیٰ سینا سے طلوع ہوا سعیر سے چمکا اور کوہ فاران سے تجلی کیا۔

توریت کی اس پیشین گوئی میں اللہ تعالیٰ کے "سینا" سے طلوع ہونے سے مراد موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہے اور "سیعیر" سے اللہ تعالیٰ کے چمکنے سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور اور کوہ "فاران" سے اللہ تعالیٰ کے تجلی کرنے سے مراد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہے۔

اسی طرح کتاب حبقوق باب (۳) آیت (۳) میں بیان کیا گیا ہے۔

یاتی اللّٰہ من جنوب (تیمان) والقدوس من جبل فاران.	اللہ تعالیٰ جنوب تیمان سے اور قدوس کوہ فاران سے آیگا۔(خطبات احمدیہ)

توریت کی پیشین گوئی خاص رسول اللہ صلی اللہ وسلم سے مخصوص ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب خاص کے جاہ و جلال کو ظاہر کرنے کے لئے اپنا ظہور فرمایا۔

اسی طرح "ملاکا" نبی کی کتاب میں باب (۳) میں لکھا ہے جس خداوند کے تفحص میں ہو یعنی رسول عہد کے وہ اپنی ہیکل میں آجائیگا۔(خطبات احمدیہ)

جب ان بشارات میں اللہ کے ظہور سے حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت رسول اللہ صلعم کا ظہور مراد ہے تو آیت "فسوف یاتی اللّٰہ بقوم" (یعنی اللہ تعالیٰ مستقبل بعید میں ایک قوم کو لائے گا یا ایک قوم کے ساتھ آئے گا) میں بھی ضرور لفظ اللہ سے ایسے شخص کا ظہور مراد ہونا چاہیے جو ان پیغمبروں کے جیسا جاہ و جلال رکھتا ہو کیونکہ جس طرح کتاب حبقوق میں "یاتی اللّٰہ" آیا ہے اور اس سے رسول اللہ صلعم مراد ہیں تو اسی طرح "فسوف یاتی اللّٰہ بقوم" میں "یاتی اللّٰہ" کے الفاظ سے کسی صاحب جاہ جلال خلیفۃ اللہ کا ظہور مراد ہو سکتا ہے۔

آیت فسوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبھم و یحبونہ الخ کی بشارت معنوی حیثیت سے ٹھیک ایسی ہی ہے جیسی توریت کی بشارت مذکورہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق آئی ہے کیونکہ توریت میں "من جبل فاران تجلی" کے سلسلہ میں "بیمینہ شریعۃ بیضاء و بجندالملکۃاتیٰ" کے الفاظ آئے ہیں۔(یعنی اللہ تعالیٰ کو وفاران سے تجلی کیا اس کے دائیں ہاتھ میں روشن شریعت ہے اور وہ ملائکہ کے لشکر کے ساتھ آیا) توریت کی اس آیت میں "تجلی" اور "اتی" جس کے معنی تجلی کیا اور آیا کے ہیں تو آیت "فسوف یاتی اللّٰہ بقوم" میں یاتی مضارع کا صیغہ ہے جو حرف "سوف" کی وجہ سے مستقبل بعید کے معنی دے رہا ہے۔اگر قرآن شریف میں "یاتی" کی جگہ اتی کا لفظ آتا جیسا کہ توریت میں موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ثابت کرنے کے لئے "طلع" کا لفظ آیا ہے جو ماضی کا صیغہ ہے تو اس صورت میں جس طرح توریت میں "طلع" سے موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ثابت ہوا ہے اسی طرح قرآن شریف میں بھی لفظ "اتی" سے رسول اللہ صلعم کا ظہور ثابت ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے اظہار فرق کے لئے توریت میں "تجلی" اور "اتی" سے جو ماضی کے صیغے ہیں رسول اللہ صلعم کا ظہور ثابت کیا ہے تو قرآن شریف میں "فسوف یاتی اللّٰہ" کے الفاظ سے جو آئندہ زمانہ پر دلالت کرتے ہیں کسی مامور من اللہ کا ظہور ثابت کیا ہے۔علاوہ اسکے توریت میں

جندالملائکہ کے الفاظ آئے ہیں یعنی ملائکہ کا لشکر جس سے صحابہ رسول اللہ صلعم مراد ہیں تو قرآن شریف میں "قوم" کا لفظ آیا جس سے کسی مامور من اللہ کے اصحاب ثابت ہو سکتے ہیں۔

اگر ہم قوم کے صفات پر غور کریں تو معلوم ہوگا وہ صفات تقریباً اصحاب رسول کے صفات کے مماثل ہیں چنانچہ "قوم" کی صفات آیت مذکور میں یہ آئی ہیں۔

(۱) یحبھم و یحبو نہ	اس قوم کو خدا دوست رکھے گا اور وہ قوم خدا کو دوست رکھے گی۔
(۲) اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین.	وہ قوم مومنین کے حق میں نرم دل کافروں کے حق میں سخت ہے
(۳) یجا ھدون فی سبیل اللّٰہ ولا یخافون لومۃ لایم.	وہ قوم جہاد فی سبیل اللہ کریگی اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ ڈرے گی۔
(۴) ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاؤ اللّٰہ واسع علیم۔	یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ یہ صفات جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ وسیع فضل والا اور علیم ہے۔

نمبر(۱) میں قوم کی جو صفت بیان کی گئی ہے اس کے الفاظ یحبھم و یحبو نہ ہیں یعنی خدا قوم سے محبت رکھے گا قوم خدا سے محبت رکھے گی۔اس کے مقابل میں اصحاب رسول اللہ صلعم کی صفت میں "رضی اللّٰہ عنھم و رضو اعنہ" بیان کیا گیا ہے دیکھو گیارہواں پارہ رکوع دوسرا یعنی خدا ان سے راضی اور خوش ہے تو وہ سب اللہ سے راضی اور خوش ہیں۔راضی اور خوش رہنا خود محبت کی دلیل ہے اسلئے قوم کی پہلی صفت اصحاب رسول اللہ کی صفت کے مماثل و مساہم ہے۔

اس کے بعد آیت فسوف یاتی اللّٰہ میں مسلسل تین صفات بیان کی گئی ہیں یہ بھی اصحاب رسول اللہ کی تین صفات کے مماثل و مساہم ہیں جو سورہ الفتح کی تیسری رکوع میں آئی ہیں۔ ہم یہاں ان کو بانتقاں لکھ کرتا تے ہیں۔

قوم کی صفات	اصحاب رسول اللہ صلعم کی صفات
(۱)اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین۔	(۱)محمد رسول اللہ والذین معه اشداء علی الکفار و رحماء بینهم۔
وہ قوم مومنین کے حق میں نرم دل اور کافروں کے حق میں سخت ہے۔	محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت آپس میں یعنی مومنین کے حق میں نرم ہیں۔
(۲)یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومة لایم۔	(۲)تریهم رکعا و سجدا۔
وہ قوم فی سبیل اللہ جہاد کریگی اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرے گی۔	تم انکو رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے دیکھو گے۔
(۳)ذالک فضل اللہ یوتیه من یشاء واللہ واسع علیم۔	(۳)یبتغون فضلاً من اللہ و رضوانا سیما هم فی وجوههم من اثر السجود۔
یہ اللہ کا فضل ہے ایسے صفات وہ جس کو چاہے دیتا ہے اور اللہ وسیع فضل والا اور علیم ہے۔	وہ اللہ کا فضل اور رضامندی چاہتے ہیں کثرت سجود کی وجہ سے ان کے چہروں پر نورانی نشان ہیں۔

پہلے اور تیسرے آیتوں کا مطلب بالکل ایکساں ہے صرف دوسرے نمبر میں قوم کو مجاہد بتایا گیا ہے تو اصحاب رسول اللہ صلعم کو عبادت کرنے والے بتایا گیا ہے۔ اصحاب رسول اللہ صلعم غزوہ بدر و غزوہ احد کے بعد جب مکہ فتح کر چکے تو اس صورت میں لوگوں کو فراغت کے ساتھ خدا کی عبادت کا موقع ملا اس لئے رکعاً و سجداً کہا گیا جو مبالغہ کے صیغے ہیں لیکن قوم کی صفت صرف مجاہد بتائی گئی اور جہاد اصغر تو خود عبادت ہے لیکن جہاد اکبر جس کو جہاد مع النفس والشیطان کہتے ہیں۔ یہ بھی سراسر عبادت ہی عبادت ہے۔

تفسیر کبیر میں آیت فضل اللہ المجاھدین با موالهم وانفسهم علی

القاعدین درجة (النساء ۹۵) کے تحت جہاد اکبر کی نسبت لکھا گیا ہے۔

و حاصل هذا الجهاد صرف القلب من الالتفات الی غیر اللہ ای الا ستغراق فی طاعت اللہ ولما کان هذا المقام اعلی مما قبله لا جرم جعل فضیلة الاول درجة و فضیلة هذا الثانی درجات۔	اس جہاد اکبر کا ماحصل قلب کو غیر اللہ سے ہٹا کا اللہ ہی کی طاعت میں مستغرق رکھنا ہے جبکہ یہ مقام پہلے مقام (جہاد اکبر) سے اعلیٰ ہے اسلئے پہلے مقام کی فضیلت ایک درجہ اور اس دوسرے مقام کی فضیلت کئی درجے ہے۔

جب آیت "فسوف یاتی اللہ بقوم" میں قوم کی صفات اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے مماثل و مساہم ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ قوم ضرور کسی مامور من اللہ یا خلیفۃ اللہ کی ہے ورنہ دنیا میں دوسری قوم کونسی ہو سکتی ہے جس کی صفات اصحاب رسول اللہ صلعم کی صفات کی برابری کرے اسی وجہ سے مفسر نیشا پوری نے لکھا ہے " لعل المراد منه قوم المهدی" (شاید آیت میں قوم سے مراد قوم مہدی ہے)

مفسر موصوف نے قوم مہدی کی صراحت تو کی ہے مگر یقین اور قطعیت کے ساتھ نہیں کی ہے حالانکہ آیت " فسوف یاتی اللہ بقوم" کا سیاق توریت کی آیت سے ملتا جلتا ہے اور قوم کی صفات اصحاب رسول اللہ صلعم کی صفات سے مساوی ظاہر ہو رہے ہیں تو پھر کوئی شبہ کی بات نہیں ہو سکتی کہ لفظ " اللہ" سے مراد امام مہدی علیہ السلام ہوں اور قوم سے مراد قوم مہدی ہو خاص کر اس وجہ سے کہ آپ اس سے قبل کی بحثوں میں مامور من اللہ یا خلیفۃ اللہ۔ وارث نبی وافع بلا کت امت۔ خاتم الاولیایا خاتم ولایت محمدیہ وغیرہ ثابت ہو چکے ہیں۔

چونکہ آیت زیر بحث کے الفاظ یہ ہیں" من یر تد منکم عن دینه فسوف یاتی اللہ بقوم" (یعنی جب لوگ اپنے دین سے پھر جائیں تو اللہ تعالی ایک قوم کو لائے گا یا ایک قوم کیساتھ آئے گا) اسلئے بعض مفسرین قوم سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپکے ساتھی لیتے ہیں کیونکہ آپ کے زمانہ خلافت میں سات جماعتیں مرتد ہو چکی تھیں جن کے ساتھ آپ نے جہاد فرمایا۔ یہ تفسیر ظاہراً طور پر مطابق آیت نہیں ہے کیونکہ فسوف یاتی اللہ سے ثابت ہے کہ یہ واقعہ زمانہ مستقبل بعید میں درپیش ہوگا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ

جو سب کے سب اصحاب رسول اللہ صلعم ہیں اوائل اسلام میں موجود تھے۔ اوائل اسلام کو مستقبل بعید نہیں کہا جا سکتا۔ پھر اصحاب رسول اللہ صلعم کی صفات اور قوم کی صفات بعض ایک ہوتو لفظا جدا گانہ ہیں۔ اصحاب رسول اللہ صلعم غزوہ بدر و احد اور فتح مکہ کے موقعوں پر جہاد کر چکے ہیں اور قوم کا جہاد آیندہ زمانہ میں ہونے والا ثابت ہوتا ہے بہر حال اس آیت میں قوم سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت قطعاً نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس بعض مفسرین نے قوم سے مراد سلمان فارسیؓ کی جماعت ثابت کی ہے حالانکہ خود سلمان فارسی نہ مامور من اللہ ہیں اور نہ ان کی جماعت اور بمقابل مامور من اللہ یا خلیفۃ اللہ کے غیر مامور من اللہ کو ترجیح نہیں ہو سکتی اس لئے آیت زیر بحث میں قطعی طور پر لفظ اللہ سے امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو سکتا ہے اور قوم سے مراد امام مہدی علیہ السلام کی قوم ہی ہو سکتی ہے اور بس فاعتبرو ایا اولی الابصار.

اب رہی یہ بحث کہ مرتدین کون ہیں جن کے ارتداد کے بعد اللہ تعالی قوم مہدی کو لائے گا یا قوم مہدی کے ساتھ آئے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی علیہ السلام کی تفصیلی علامات ارشاد فرمائی ہیں جن کے منجملہ حدیث ثوبانؓ کے الفاظ یہ ہیں۔

قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم یقتتل عند کنز کم ثلاثة کلهم ابن خلیفة لا یصیر الیٰ احد منهم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق فیقتلو نکم منکم لم یقتله قوم ثم یجی خلیفة اللّٰه المهدی الخ (ابن ماجہ۔ حاکم۔ ابو نعیم)	ثوبانؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ تمھارے کنز یعنی خلافت کے لئے تین آدمی جھگڑا کریں گے وہ سب خلیفہ کے بیٹے ہونگے ان میں سے کسی کو خلافت نہیں ملے گی پھر سیاہ جھنڈے شرق کی طرف سے نکلیں گے تم کو یعنی مسلمانوں کو اس طرح قتل کریں گے کہ کوئی قوم اس طرح قتل نہ کی ہوگی پھر اللہ کے خلیفہ مہدی آئیں گے۔

اس حدیث میں حسب ذیل امور مذکور ہیں۔

(۱) خلیفہ کے تین بیٹوں کا خلافت کے لئے جھگڑا کرنا مگر خلافت کسی کو نہ ملنا۔

(۲) شرق کی طرف سے سیاہ جھنڈوں کا نمودار ہونا۔

(۳) مسلمانوں کا ایسا قتل کہ کبھی ایسا نہ ہوا ہو۔

(۴) واقعات مذکورہ کے بعد خلیفۃ اللہ مہدی کا ظہور۔

(۵) خلیفۃ اللہ مہدی کے ظہور کے بعد آپ کے پاس جانے اور بیعت کرنے کا حکم اگر چہ برف پرسے رینگتے جانا پڑے۔

خلیفہ کے تین بیٹوں سے مراد حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہ کے تین فرزند حضرت حسن۔ حضرت حسین۔ حضرت محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہم ہیں جو خلافت سے محروم رہے۔

اس حدیث میں "کنز" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی لغوی خزانہ یا مخزن کے ہیں لیکن لفظ خلیفہ" اور واقعات مظہرہ کے قرائین سے خلافت کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے کیونکہ خلیفہ کے تین بیٹوں کا خزانہ یا مال و دولت کے لئے جھگڑا کرنا قرین قیاس نہیں بلکہ اپنے باپ کے جانشین ہونے یا خلافت کے لئے جھگڑا کرنے کا مفہوم صحیح اور قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔

"عند کنز کم" میں "عند" کا لفظ اگر چہ قرب کے معنی دیتا ہے لیکن یہاں "وقت" کے معنی میں مستعمل ہے جیسا کہ " جئت عند طلوع الشمس "محاورہ آتا ہے یعنی میں طلوع آفتاب کے وقت آیا اس لئے " یقتتل عند کنز کم کے معنی یہ ہوں گے۔ حصول خلافت کی کوشش کے وقت تین آدمی جھگڑا کریں گے۔

شرق کی طرف سیاہ جھنڈے نکلنے سے مراد ابو مسلم خراسانی کا خروج ہے جو سیاہ جھنڈے لیکر نکلا اور خلافت عباسیہ کی بنیاد ڈالی۔

" ثم تطلع الرایات السود" سے خلافت عباسیہ کے قیام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کی ابتدا ابو عبداللہ سفاح سے اور انتہا خلیفہ مستعصم پر ہوی۔

"یقتلو نکم" میں ضمیر مفعولی "کم" کے مخاطب مسلمان ہیں کیونکہ یہاں غیر مسلم کے خطاب کا کوئی محل وموقع نہیں ہے۔ "فیقتلوا" کی ضمیر جمع غائب بطور معہود ذہنی کفار کی طرف راجع ہے اور کلمہ " فا "تعقیب مع الوصل کے لئے مستعمل ہے جیسا کہ اصول الشاشی میں لکھا ہے " الفاء للتعقیب مع الوصل لهذا تستعمل فی الآ جزیه" یعنی فا کلمہ تعقیب کے واسطے آتا ہے (یعنی معطوف علیہ کا وجود مقدم اور معطوف کا موخر ہوتا ہے) مگر یہ تعقیب مع الوصل ہوتی ہے (یعنی ما

بین معطوف علیہ اور معطوف کے مہلت نہیں) اسی وجہ سے " فا" کلمہ کا استعمال جزا میں آتا ہے۔

کتاب مذکور کے حاشیہ پر اس کی مثال یہ دی گئی ہے اگر کسی نے اپنی زوجہ سے کہا کہ "ان دخلت الدار فانت طالق" یعنی اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو مطلقہ ہے۔ اس صورت میں عورت گھر میں داخل ہوتے ہی بغیر فصل وتراخی کے مطلقہ ہو جائے گی۔

تاریخ اسلام سے ظاہر ہے کہ خلافت عباسیہ کی ابتداء یا خاتمہ کے وقت جس کی ابتدا کا اشارہ سیاہ جھنڈوں کے نکلنے سے ظاہر کیا گیا ہے اور جس کی ابتدا سفاح کی خلافت سے ہوئی تھی مسلمانوں کے قتل کا واقعہ مستعصم خلیفہ بغداد کی گرفتاری کے بعد ہی بلا فصل وتاخیر ظہور میں آیا گویا قتل مذکور تعقیب مع الوصل پر دلالت کرتا ہے۔

تاریخ وصاف میں لکھا ہے کہ چالیس دن تک لشکر ہلاکو قتل وغارت میں مشغول رہا سولہ لاکھ جانیں تلف ہوئیں وحشی مغلوں نے شیر خوار بچوں کو تک نہ چھوڑا۔ گلیوں میں خون کی نالیاں بہہ رہی تھیں دریائے دجلہ کا پانی میلوں ارغوانی ہو گیا۔ حدیث ثوبان کے الفاظ" فیقتلو نکم قتلاً لم یقتله قوم" (یعنی وہ (کفار) تم (مسلمان) کو ایسا قتل کریں گے کہ کسی قوم نے اس طرح قتل نہ کیا ہو گا) اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو خلافت بغداد کے خاتمہ کا واقعہ ہے۔

حدیث ثوبانؓ سے ظاہر ہے کہ ان واقعات کے بعد خلیفۃ اللہ مہدی کا ظہور ہو گا جس میں آپ سے بیعت کی سخت تاکید کی گئی ہے یعنی اگر برف پر سے بھی رینگتے جانا پڑے تو جاؤ اور بیعت کرو۔

حدیث ثوبانؓ میں کفار سے مراد ہلاکو اور اس کی فوج ہے چنانچہ اس کی توثیق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس شعر سے ہوتی ہے۔

بنیّ اذا ما جاشت الترک فانتظر

ولا یۃ مھدی یقوم فیعدل

یعنی اے میرے بچے جب ترک حملہ کے لئے جوش میں آجائیں تو مہدیؑ کی ولایت کا انتظار کرو۔ وہ عدل قائم کریں گے

وذل ملوک الارض من آل ھاشم

و بویع منھم من یلذو یھزل

یعنی اس وقت آل ہاشم کے (ظالم) بادشاہ ذلیل ہو جائیں گے اور ان میں سے ایسے شخص سے بیعت کی جائے گی جو لذت اور ہزل میں مبتلا ہو گا۔

کتاب الفتن مولفہ نعیم بن حماد میں عمار بن یاسر کا جو قول نقل کیا گیا ہے وہ یہاں بیان کیا جاتا ہے جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیشین گوئی اور حدیث ثوبانؓ ہر دو کی توثیق ہوتی ہے۔

عن عمار بن یاسرؓ قال علامۃ المھدی اذا انساب علیکم الترک وما ت خلیفتکم الذی یجمع المال و یستخلف بعدہ ضعیف فیخلع بعد سنین من بیعتہ الخ	عمار بن یاسر کہتے ہیں کہ مہدی کی علامت یعنی آپ کا ظہور اس وقت ہو گا جبکہ تم پر (یعنی مسلمانوں پر) ترکوں کا حملہ ہو اور تمہارا خلیفہ جو مال جمع کرے گا مر جائے گا اور اسکے بعد ایک کمزور شخص خلیفہ بنایا جائے گا دو سال بعد معزول ہو جائے گا۔

اس قول سے ظاہر ہے کہ ترکوں سے مراد ہلاکو کی فوج ہے جو بغداد پر حملہ آور ہوئی اور مستعصم کو ہلاکو نے قتل کر کے خلافت کا خاتمہ کر دیا اس خلیفہ کو مال جمع کرنے والا خلیفہ اس لئے کہا گیا اس نے مستنصر کے تین خالی شدہ حوضوں کو اشرفیوں سے بھر لیا تھا یہ ساری رقم ہلاکو کے ہاتھ لگی۔

اس پوری تقریر سے ظاہر ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور زوال بغداد کے بعد ہو گا چنانچہ ابن کثیر کے ایک قول سے جس کو نعیم بن حماد نے کتاب الفتن میں حدیث ثوبانؓ کی ضمن میں لکھا ہے اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

قال الحافظ عماد الدین فی ھذا السیاق (ای ولوحبواً علی الثلج) اشارۃ الی ملک بنی العباس و فیہ دلا لۃ علی ان المھدی یکون بعد دولۃ بنی العباس.	حافظ عماد الدین ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس سیاق یعنی ولوحبواً علی الثلج میں ملک بنی العباس کی طرف اشارہ ہے اور اس میں یہ دلالت ہے کہ مہدی دولت بنی العباس کے بعد آئیں گے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور خلافت بنی العباس کے اختتام یا زوال بغداد کے بعد ہو گا تو اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیت "یا ایھاالذ ین آمنو امن یر تد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللّٰہ بقوم" یعنی اے ایمان والو جب لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ قوم مہدی کو لائے گا یا قوم مہدی کے ساتھ آئے گا) میں مرتدین سے مراد کون لوگ ہیں جن کے

ارتداد کے بعد قوم مہدی آئے گی۔حدیث ثوبانؓ اور آیت مذکورکو مطابق کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مرتدین سے مراد حسن صباح کی جماعت ہے جو ایران میں قلعہ الموت پر قابض تھی جن کی حکومت کا رقبہ نقشہ ذیل سے واضح ہے۔

ہلاکو کی فوج نے بغداد پر حملہ آور ہونے سے دو سال پہلے حسن صباح کے رقبہ حکومت پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی حسن صباح اور اس کی جماعت کے ارتداد کی کیفیت حسب ذیل ہے۔(ماخوذ از کتاب نظام الملک طوسی)۔

حسن صباح حمیری کی نسل سے ہے اسی وجہ سے اس کو حسن صباح کہتے ہیں اس کی ولادت بمقام قوم ہوئی اور یہ شخص خواجہ حسن نظام الملک اور عمر خیام کا معاصر ہے یہ تینوں مدرسہ بغداد نظامیہ میں ایک ہی زمانہ کے طالب علم تھے خواجہ نظام الملک تو تعلیم سے فارغ ہو کر الپ ارسلان کا اور بعد میں ملک شاہ سلجوقی کا وزیر اعظم بن گیا۔عمر خیام کو جاگیر دے کر معاش سے مطمئین کر دیا لیکن حسن صباح اپنی غیر معمولی دانشمندی اور خداداد ذہانت سے اپنے ہی فن پر کھڑا رہا۔حسن صباح یہ چاہتا تھا کہ خواجہ نظام الملک کی جگہ خود وزیر اعظم بن جائے اس لئے اس نے خواجہ کی ایک حسابی غلطی بتائی اور سلطنت کے جمع وخرچ بتانے کے سلسلہ میں ملک شاہ سلجوق کو خواجہ سے برہم کرا دیا لیکن خود حسن کو خجالت اٹھانی پڑی اور وہ اصفہان چلا گیا پھر مصر پہنچ کر مذہب اسمعیلہ کا مبلغ بن گیا خلیفہ مستنصر باللہ فاطمی نے اس کی بڑی خاطر مدارات کی۔

خلیفہ مذکور نے بعض وجوہ سے اپنے بیٹے نزار کو ولیعہدی سے خارج کر کے دوسرے بیٹے احمد المستعلی کو ولیعہد بنا دیا۔حسن نزار کا طرفدار تھا۔جب امیر الجیوش کو معلوم ہوا کہ حسن نزار کی خفیہ

دعوت کر رہا ہے تو امیر مذکور نے مستنصر کے حکم سے حسن کو قلعہ دمیاط میں قید کر دیا۔اتفاق سے قلعہ کا برج گر پڑا لوگوں نے اس کو حسن کی کرامت سمجھ کر چند عیسائیوں کے ساتھ ایک جہاز میں بٹھا کر روانہ کر دیا سمندر میں طوفان آنے سے تمام جہاز کے مسافر بدحواس ہو گئے لیکن حسن نہایت اطمینان سے بیٹھا رہا۔ایک مسافر نے پوچھا آپ کس لئے اطمینان سے بیٹھے ہو حسن نے جواب دیا مجھے امام برحق نے اطلاع دی ہے کہ جہاز نہ ڈوبے گا۔تھوڑی دیر بعد طوفان جاتا رہا لوگ حسن کے قدم چومے اس کو ایک ولی تسلیم کیا۔جب جہاز شام پہنچ گیا تو حسن جہاز سے اترا اور خشکی کے راستے سے دیار بکر جزیرہ روم۔حلب۔بغداد اور خوزستان ہوتا ہوا اصفہان آگیا تمام بلاد میں وہ مذہب اسمٰعیلہ کی دعوت کرتا رہا۔جب حسن کے مریدوں کی تعداد زیادہ ہو گئی قلعہ الموت کے قریب جا کر ٹھیرا یہ لفظ اصل میں آلہ الموت ہے جس کے معنی دیلمی زبان میں آشیانہ عقاب کے ہیں۔مہدی علوی نے قلعہ کو حسن کے ہاتھ بیچ کر دیا تھا وہ یہاں بیٹھکر آرام کیا تھا اپنے مذہب کی اشاعت کرتا رہا اور اپنا شاہانہ جاہ وجلال قایم کیا۔اگر چہ ملک شاہ سلجوقی نے حسن پر چڑہائی کی اور قریب تھا کہ حسن کو شکست ہو جائے مگر اس نے ایک فدائی کے ذریعہ خواجہ نظام الملک کو قتل کرا دیا اسی سنہ میں ملک شاہ سلجوقی کا بھی انتقال ہو گیا قلعہ الموت کی تسخیر ملتوی رہ گئی اور حسن کا اقتدار بڑھ گیا۔مارکو پولو کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ قلعہ الموت" دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا اس لئے وہ مقام بلدالجبل اور وہاں کا حاکم شیخ الجبل کہلاتا تھا جس کا نام علاءالدین تھا۔اسی کا قول تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہشت دینے کا وعدہ کیا تھا جو مجھے مل گئی ہے اس نے دو گھاٹیوں کے بیچ میں ایک خوبصورت باغ بنوایا تھا جس میں مختلف قسم کے میوہ دار درخت اور پھولوں کے درخت موجود تھے اس باغ میں ہر وقت خوبصورت عورتیں موجود رہتی تھیں جو ہر قسم کے باجے بجا کر ناچتی گاتی تھیں۔اس باغ میں وہ لوگ آتے تھے جو حشیش (بھنگ) پینے پر راضی ہوتے تھے باغ میں جانے کا صرف ایک ہی راستہ تھا۔جن لوگوں کو بہشت دیکھنے کا شوق ہوتا انھیں بھنگ پلا کر مدہوش ہونے کے بعد باغ میں پہنچا دیا جاتا تھا۔جب انھیں باغ اور نازنین عورتوں کو دیکھکر بہشت کا یقین ہو جاتا تھا دوبارہ مدہوش کر کے باہر نکال دیا جاتا۔

مارکو پولو چونکہ علاءالدولہ کے زمانہ میں یہاں آیا تھا اس لئے وہ اس بہشت کو علاءالدولہ سے

منسوب کرتا ہے لیکن درحقیقت اس بہشت کا بانی حسن صباح ہے جو لوگ جنت دیکھکر آجاتے تھے ان کو فدائی کا لقب دیا جاتا تھا ان کو یقین تھا کہ مرنے کے بعد اسی جنت میں جگہ مل جائے گی اس لئے وہ ایسے نڈر ہوتے تھے کہ لڑنے مرنے سے نہیں ڈرتے تھے۔ بادشاہوں اور امراء وغیرہ کو دربار میں جا کر قتل کرنا ان کا معمولی کام تھا چنانچہ اس فرقے نے جن نامی گرامی لوگوں کو قتل کیا ہے ان کی صحیح فہرست نہیں مل سکتی البتہ چند مشہور اصحاب کی فہرست کتاب نظام الملک طوسی میں مولف صاحب نے دی ہے جن کی تعداد (۴۸) ہے اس فہرست میں تمام روساء و وزرا وغیرہ کے نام ہیں۔ اس موقعہ پر حسن صباح اور اس کے فرقہ باطنیہ کے عقاید کی فہرست بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگی اس لئے درج ذیل کی جاتی ہے۔ عقائد کی تبلیغ ایسی جماعت کے ذریعہ ہوتی تھی جس کا ہر فرد داعی کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔

حسن صباح نے فلسفیانہ طریقہ سے مذہب اسمٰعیلہ میں بہت سے نئے مسائل کا اضافہ کیا مسئلہ وجود باری میں اتنی شدت کی کہ نعوذ باللہ خدا کو بیکار اور معطل ثابت کر دیا مثلاً خدا کو قادر کہتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ خود اس میں قدرت ہے بلکہ اس لحاظ سے کہ جس نے دوسروں کو قدرت دی ہے اس کے جملہ صفات کی یہی حالت ہے کیونکہ اگر خدا میں صفات ہوں تو وہ مخلوق کے ساتھ مشابہ ہو جائے گا۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ جس کی وجہ سے خدا کی ذات میں شبہ پیدا کر دیا گیا۔ ان کا سب سے عظیم بالشان یہ مسئلہ ہے کہ ہر حکم ظاہر کا ایک باطن ہے ہر تنزیل کی ایک تاویل ہے۔ اس مسئلہ کی وجہ سے ان کی نظر میں تمام قرآن و احادیث کے احکام درہم و برہم ہو گئے اسی مسئلہ سے اس فرقہ کا نام باطنیہ ہو گیا احکام شرعی میں جو تاویلات کی گئی ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) نماز۔ امام کو یاد کرنا۔

(۲) نماز با جماعت۔ امام معصوم کی متابعت

(۳) روزہ۔ امام کے اسرار کی حفاظت ایک دوسرے فقیہ کا قول ہے کہ اپنے مقتدا کے افعال کو خاموشی سے دیکھنا اگر فواحش میں مبتلا ہو تو اس کو افعال حسنہ سمجھنا

(۴) زکوۃ۔ تزکیہ نفس مال کا پانچواں حصہ امام معصوم کے نذر کرنا۔

(۵) حج۔ امام کی زیارت کرنا اور دوسرا فقیہ کہتا ہے کہ نوروز و مہرجان کے دن خدا کی طرف

رجوع ہونا

(۶) طواف کعبہ۔ امام کے گھر کا طواف کرنا۔

(۷) غسل۔ تجدید عہد و پیماں۔

(۸) وضو۔ امام سے مذہبی تعلیم حاصل کرنا۔

(۹) تیمم۔ امام کی غیر حاضری میں نقیب سے تعلیم حاصل کرنا

(۱۰) اذان و تکبیر امام کی اطاعت پر لوگوں کو آمادہ کرنا

(۱۱) جنت۔ عیش پسندی۔ جسموں کا تکلیف سے چھوٹ جانا۔

(۱۲) دوزخ۔ محنت جسموں کا تکلیف میں مبتلا ہونا۔

(۱۳) زنا۔ دین کے اسرار ظاہر کرنا۔

(۱۴) احتلام۔ افشائے راز مذہبی

(۱۵) کعبہ۔ پیغمبر

(۱۶) صفا۔ نبی

(۱۷) مروہ۔ وصی

(۱۸) باب علی ماخوذ از حدیث نبوی۔ انا مدینۃ العلم و علی بابہا۔ یعنی میں علم کا شہر ہوں علی اسکا دروازہ ہیں

(۱۹) علم ظاہر۔ عالم اجسام سفلی و علوی

(۲۰) علم باطن۔ عالم ارواح۔ نفوس عقول۔

اس طرح ہزاروں مسائل ہیں جن میں ظاہر کی باطنی تاویل کی گئی ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دلوں کو علم سے زندہ کرتے تھے۔ یہ فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف نجار کا بیٹا کہتا تھا۔ یہ لوگ قیامت اور حشر و نشر کے قایل نہ تھے تناسخ وغیرہ کو صحیح جانتے تھے۔

یہ فرقہ حسب تفصیل ذیل قلعوں پر قابض تھا۔ قلعہ الموت۔ قلعہ گردکوہ۔ لاسر۔ شاہ دژ وسمکوہ۔ خالنجان۔ قلعہ استون آوند۔ اردھن۔ قلعہ الناظر۔ قلعہ طبور۔ قلعہ خلادخاں وغیرہ۔

حسن صباح نے ۵۱۸ھ میں انتقال کیا جس کے جانشین علی التسلسل یہ ہیں۔ (۱) کیا

بزرگ (۲) محمد بن کیا بزرگ (۳) حسن بن محمد (۴) محمد ثانی بن حسن (۵) جلال الدین محمد ثانی ملقب بہ حسن ثالث (۶) علاء الدین محمد بن جلال الدین ملقب بہ محمد ثالث رکن الدین خورشاہ بن علاء الدین۔

۶۵۴ھ میں ہلاکو خاں نے قلعہ الموت پر حملہ کر کے ان باطنیوں کا خاتمہ کر دیا۔ بارہ ہزار باطنی قتل کئے گئے۔ شام اور مصر میں بھی ملک الظاہر بیبرس اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان باطنیوں کا استیصال کر دیا۔ اس فرقہ کے عقاید باطلہ کی وجہ سے جیسا کہ بیان کر دیا گیا ہے نیز ظالمانہ قتل و خونریزی کے سبب سے جیسا کہ مذکور ہوا حسب فرمان باری تعالیٰ من یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالداً فیہا (یعنی جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔) مرتد یا کافر کہیں تو نامناسب نہیں ہے۔ احکام فقہی کے لحاظ سے بھی ان لوگوں پر ارتداد کی تعریف پوری پوری صادق آتی ہے اور احکام فقہی کے نظر کرتے دینی مسائل میں تاویلات باطلہ کئے جائیں تو کون شبہ کر سکتا ہے کہ حسن صباح اور اس کے جانشین جو حسن صباح کے باطل عقائد کو ماننے والے اور وہ تمام لوگ جو داعی اور فدائی کے نام سے موسوم اور انہی عقائد کے پیرو تھے مرتد نہیں تھے۔ مورخین فارس نے اس فرقہ کو اس کے عقاید باطلہ اور ظالمانہ قتل و خونریزی کی وجہ سے ملاحدہ کے نام سے یاد کیا ہے۔

حدیث ثوبانؓ میں امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا زمانہ سقوط بغداد کے بعد بتایا گیا ہے۔ اور آیت فسوف یاتی اللہ بقوم" میں جس میں لفظ " اللہ" سے مراد ظہور مہدی علیہ السلام ہے بعثت مہدیؑ کا زمانہ مرتدین کے ارتداد کے بعد بیان کیا گیا ہے۔

آیت مذکور میں لفظ "سوف" جو فعل مضارع "یاتی" کے پہلے آیا ہے تو اس سے امام مہدی کے ظہور کا زمانہ ارتداد کے بعد زمانہ مستقبل بعید میں ظاہر ہوتا ہے اور حدیث ثوبانؓ میں ثم کا لفظ جو بعجئی خلیفۃ اللہ المہدی سے پہلے آیا ہے وہ تعقیب و تراخی پر دلالت کرتا ہے اور یہ تعقیب و تراخی یا تاخیر زمانہ مستقبل بعید کے مطابق ہونا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلعم جو زمانہ بھی بتائیں گے وہ قرآن شریف سے غیر مطابق نہ ہوگا۔ پھر حدیث ثوبانؓ میں سقوط بغداد اور آیت میں مرتدین کے ارتداد کا زمانہ بھی ایک ہی ہوگا یا فرق کے ساتھ ثابت ہوگا۔ حسن اتفاق سے سقوط بغداد

سے پہلے جو ۶۵۶ھ میں ہوا مرتدین کی حکومت بھی ۶۵۴ھ میں ختم ہوگئی اور ان دونوں کا ختم کرنے والا بھی ایک شخص ہلاکو خاں تھا۔

علامہ زمخشری نے کشاف میں اسی آیت کے تحت جن اوائل اسلام کی گیارہ مرتد جماعتوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے تین جماعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور سات حضرت خلیفہ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مرتد ہوگئیں ایک جماعت حضرت خلیفہ دوم عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مرتد ہوگئی۔

آیت زیر بحث میں "مو تد" کا لفظ مضارع کا صیغہ ہے جو زمانہ حال و استقبال پر دلالت کرتا ہے اسلئے آیت کے معنی یہ ہوں گے" جب لوگ زمانہ حال یعنی اوائل اسلام میں مرتد ہو جائیں یا زمانہ استقبال جیسے بابکی قرامطہ اور برقعی وغیرہ ہیں یا جماعت صباحی مرتد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ امام مہدیؑ کو آپ کی قوم کے ساتھ مبعوث فرمائے گا۔ لیکن وہ تاویل جس سے آیت اور حدیث کا زمانہ متحد ہو جاتا ہے زیادہ تر صحیح اور مناسب ہے اسلئے مرتدین کی جماعت صباحی جماعت ثابت ہوگی۔

ولایت مآب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اشعار مجز شعار سے جو قبل ازیں لکھے گئے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے انتظار کا زمانہ ترکوں کے جوش میں آنے کے بعد سے ہے لیکن ان اشعار میں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کب تک انتظار کیا جائے اس کے تصفیہ کے لئے حضرت ولایت مآب ہی کا کلام عرش الہام قابل ملاحظہ ہے جس میں آپ نے نو سو سال یا نویں صدی کا اشارہ فرمایا ہے۔

نعیم بن حماد نے محمد بن حنیفہؓ سے روایت کی ہے۔

قال کنّا عند علی فسائل رجل عن المہدی فقال ہیہات ثم عقد بیدہ تسعًا فقال ذالک یخرج فی آخر الزمان.	محمد بن حنیفہ کہتے ہیں کہ ہم علیؓ پاس تھے ایک شخص مہدیؑ کے بارے میں پوچھا فرمایا بہت دور ہے پھر آپ نے اپنے ہاتھ پر نو کا عقد کیا فرمایا وہ آخر زمانہ میں نکلیں گے۔

عقد انامل کی صورت یہ ہے کہ اس میں آحاد عشرات' مآت۔ الوف یعنی اکائیاں۔ دہائیاں۔ سینکڑے۔ ہزاروں ایسے امتیاز کے ساتھ انگلیوں پر گنے جاتے ہیں کہ ایک کا

احتمال دوسری پر نہیں ہوسکتا۔ لیکن وہ وجہ امتیاز جس سے ہر عدد علیحدہ علیحدہ سمجھا جاتا ہے وہ عقود یعنی اشارات ہیں جو سیدھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں مقررہ مقامات پر خاص ترکیب ووضع کے ساتھ رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً سیدھے ہاتھ کی انگلیاں " خنصر" "بنصر" "وسطی" سے ایک سے نوتک اکائیاں مختص ہیں۔ سیدھے ہاتھ کی دو انگلیاں سبابہ اور ابہام سے عشرات یعنی دس سے نوتک دہائیاں برآمد ہوتی ہیں اسکے مقابل بائیں ہاتھ میں انھیں مقامات پر یہی اشارات بتانے سے بجائے عشرات وآحاد کے الوف ومآت یعنی ایک ہزار سے نوہزار اور ایک سو سے نوسوتک اعداد حاصل ہوتے ہیں چنانچہ غیاث اللغات میں لکھا ہے۔

بباید دانست که انچه در دست راست دلالت بر عقدے از عقود آحا دکند ازیك تانه دردست چپ دلالت بر همان عقد از عقودالوف کند ازیکهزار تانه هزار هم چنین انچه در دست راست دلالت بر عقدے از نه گانه عشرات ازده تا نود در دست چپ بر همان عقدے از عقود مآت کند ازیکصدتانه صد	معلوم کرلینا چاہئے کہ سیدھے ہاتھ میں جو چیز ایک سے نوتک کے عقد پر دلالت کرتی ہے وہی بائیں ہاتھ پر ایک ہزار سے نو ہزار تک کے عقد پر دلالت کرتی ہے اور اسی طرح سیدھے ہاتھ میں جو چیز دس سے نو دتک کے عقد پر دلالت کرتی ہے وہی بائیں ہاتھ میں ایک سو سے نوسو کے عقد پر دلالت کرتی ہے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نو کے عقد چار ہیں (۹)۔(۹۰)۔(۹۰۰)۔(۹۰۰۰)
اور یہ اعداد سیدھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے مقامات بدلنے سے بدلتے ہیں۔

چونکہ روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جس عقد انامل کا اشارہ فرمایا ہے وہ سیدھے یا بائیں ہاتھ کی کونسی انگلیوں سے ظاہر کیا تھا۔ اس روایت میں یہ ابہام ہے کہ امام علیہ السلام کے ظہور کا نو یا نو دسال میں اشارہ کیا گیا ہے یا نوسو یا نوہزار سال میں؟ پس یہاں درایت سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ ان چار احتمالات میں کونسی صورت قرین قیاس ہوسکتی ہے۔ پہلی دوصورتیں مراد لینا اسلئے صحیح نہیں ہے کہ خود روایت میں "هیهات" یعنی بعید (دور ہے) کے الفاظ موجود ہیں اور نو یا نودسال اتنی قریب مدتیں ہیں کہ ان پر هیهات کالفظ صادق نہیں آتا۔ اس کے علاوہ

روایت میں " یخروج فی اخو الزمان " کے الفاظ ہیں یعنی امام علیہ اسلام کا ظہور آخر زمانہ میں ہونے کی صراحت موجود ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ نوسال یا نودسال کی قلیل مدت پر آخر زمانہ کا اطلاق کسی طرح درست نہیں ۔ یہ دونوں مدت منقضی ہوگئی اور اس مدت میں امام علیہ السلام کا ظہور بھی نہیں ہوا۔ اسلئے یقیناً معلوم ہوگیا کہ حضرت امیر المومنین نے جو اشارہ کیا تھا وہ نو اور نود کا عقد نہیں تھا۔
اب رہے نوسو اور نوہزار کے احتمالات ان میں سے نوہزار کے عدد کا احتمال بدرجہ یقین ساقط ہے کیونکہ وقت خبر کے بعد سے نوہزار سال مراد ہوں یا سنہ نوہزار ہجری یہ دونوں احتمال بھی صحیح نہیں ہوسکتے کیونکہ احادیث میں دنیا کی مدت سات ہزار برس بتائی گئی ہے اسلئے وہ عقد انامل نوہزار کا نہیں ہوسکتا صرف نو سو کا عقد باقی رہ گیا اس لئے نوسو پر ظہور مہدی کا یقین ہوسکتا ہے۔

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے تحریر فرمایا ہے کہ مہدیؑ (خ ف ج) ہجری کے بعد آئیں گے ان حروف کے اعداد (۶۸۳) ہوتے ہیں ۔ اگر ان حروف کو ملفوظی کریں تو ۔ خی الجاء ۔ الفاء ۔ الجیم ۔ جملہ ۔ جملہ اعداد (۸۴۳) ہوتے ہیں یہ اعداد بھی نویں صدی کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ صدی (۶۸۳) کے بعد آتی ہے یہ پیشین گوئی بھی حضرت ولایت مآب علی رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔

جولوگ مہدی علیہ السلام کے ظہور کو نزول عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ پر منحصر رکھتے ہیں بالکل غلط ہے ۔ دراصل یہ عقیدہ اہل تشیع کا ہے جو اہل سنت میں رائج ہوگیا ہے اسکا بیان اسطرح ہے۔

تاریخ اسلام مولفہ امیر علی میں لکھا ہے کہ جب امام حسن العسکری ۲۶۰ھ ہجری میں وفات پا چکے تو امامت کا بار ان کے فرزند محمد المعروف مہدی کے سر پر آپڑا جو بارھویں امام تھے ۔ پانچ سال کی عمر تھی کہ باپ کی جدائی سے گھبرا کر ان کی تلاش میں کوہ سرمن رای کے ایک غار میں داخل ہوئے۔ یہ بچہ اس غار میں داخل ہوکر واپس نہیں آیا۔ شیعہ لوگ ہر روز ایک عرصہ تک شام کے وقت غار کے منہ پر جمع ہوتے اور بمنت وسماجت اس بچہ سے واپس آنیکی درخواست کرتے پھر دیر تک انتظار کے بعد دل شکستہ اور مایوس اپنے گھروں کو لوٹ جاتے جب ان لوگوں سے کہا جاتا کہ اس بچہ کا اتنے عرصہ تک زندہ رہنا ممکن نہیں تو وہ جواب دیتے تھے کہ حضرت خضر جب ایک عرصہ سے ابتک زندہ ہیں تو پھر انکے امام کے زندہ ہونیکی وجہ معقول کیا ہوسکتی ہے۔

اس بچہ کو اہل تشیع امام مہدی یا امام غائب یا امام قائم کہتے ہیں اور ان کا اعتقاد ہے کہ یہی بچہ نزول عیسیٰ علیہ السلام سے قبل اس غار سے نکلے گا اور دنیا کے لوگوں کو معصیت اور ظلم و ستم سے نجات دلائے گا۔

حقد مین اہل سنت فرقہ امامیہ کی طرح امام قایم یا امام غایب کو امام مہدی نہیں کہتے بلکہ ان کے پاس امام مہدی کوئی اور ہیں جو اولاد فاطمہؓ سے ہوں گے اور خدا ان کو جب چاہے گا نصرت دین کے لئے مبعوث کردیگا علامہ سعد الدین تفتا زانی علمائے اہل سنت کا مذہب اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ذھب العلماء الیٰ انه امام عادل من ولد فاطمة یخلقه الله متی شاء و یبعثه نصرة لدینه۔	علماء کا مذہب یہ ہے مہدی امام عادل اولاد فاطمہ سے ہیں خدا آپ کو جب چاہیگا پیدا کردیگا اور اپنے دین کی نصرت کے لئے مبعوث کردے گا۔

اس قول سے ظاہر ہے کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک امام مہدی کے ظہور کا زمانہ معین نہیں ہے۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ معین ہوتا تو اس قول میں صراحت کردی جاتی۔ نتیجہ یہ کہ متاخرین اہل سنت نے کب اور کیونکر اہل تشیع کے اعتقاد کو اپنے دل میں جگہ دی ہے معلوم نہیں ہوتا۔
عدم اجتماع مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کے دلائل اور بھی ہیں جو بخوف طوالت نہیں لکھے گئے۔

خاتمہ

رسالہ ہذا میں صرف آٹھ آیتوں سے بحث کی گئی ہے جن سے امام مہدی علیہ السلام کا بعثت کی ثبوت قطعیت کے ساتھ ملتا ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی ایسی آیات شریفہ قرآن شریف کے مختلف مقامات پر آئی ہیں جن میں قوم مہدی کا ذکر بھی موجود ہے۔ اس مختصر رسالہ میں ہم کو یہ بتانا منظور تھا کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن شریف میں مہدی علیہ السلام کا ذکر ہی نہیں آیا ہے ان کا یہ خیال کس قدر بجائے خود صحیح نہیں ہے۔ اس مقصد کو ثابت کرنے کیلئے اس مختصر رسالہ میں پیش کی گئی یہ چند آیات ہی بطور نمونہ کافی و وافی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ جس نے ایسے ضروری رسالہ کو لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔ فقط

مرتبہ شیخ چاند ساجد

حواشی

ابن عباسؓ : حضرت عبداللہ ابن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم۔ نبی کریمؐ کے چچازاد بھائی تھے۔ حضورؐ کی وفات کے وقت عمر تیرہ یا چودہ برس تھی۔ کبار صحابہ کی صحبت میں رہے۔ عظیم مفسر قرآن اور مجتہد تھے۔ آپ کو حبر الامۃ کہا گیا۔ ایک ضخیم تفسیر ابن عباسؓ سے منسوب ہے جو مصر میں "تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ ابن عباسؓ نے بعمر ستر سال ۶۸ھ میں وفات پائی۔

ابن عربیؒ : ابوبکر محمد بن علی بن محمد محی الدین حاتمی طائی اندلسی۔ المعروف بہ ابن عربی ۵۶۰ھ/۱۱۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ بہت سے محدثین شیوخ و اساتذہ سے استفادہ کیا۔ مختلف ممالک کی سیاحت کی بالآخر دمشق میں ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء میں وفات پائی۔ ابن عربی اپنے عہد میں صوفیہ کے سرخیل تھے۔ آپ کو "الشیخ الاکبر" کے نام سے پکارتے تھے۔ عقیدۂ وحدت الوجود اور دیگر نظریات کی وجہ سے بعض لوگ آپ کے مخالف بھی تھے۔ تصوف کے علاوہ آثار و سنن سے بخوبی واقف تھے۔ شاعر و ادیب کے علاوہ اجتہاد و استنباط کا ملکہ بھی رکھتے تھے موجودہ تصانیف کی تعداد ۱۵۰ ہے جن میں اہم "الفتوحات المکیہ" اور "فصوص الحکم" اور ایک ضخیم تفسیر بھی ان سے منسوب ہے۔

ابن عمرؓ : ابو عبدالرحمٰن عبداللہ ابن عمر ابن الخطابؓ آٹھ سال کی عمر میں والد محترم کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ جلیل القدر صحابی، بلند پایہ محدث۔ مکہ مکرمہ میں ۶۳ھ/۶۸۳ء کو ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ بعض نے سن وفات ۷۳ھ بتلائی ہے۔

ابن کثیر مکیؒ : ابو معبدی عبداللہ بن ابن کثیر مکی۔ فن تجوید میں امام۔ قراء سبعہ میں شامل ہیں۔ جلیل القدر تابعی۔ ولادت بمقام مکہ مکرمہ ۴۵ھ/۶۶۴ء اور وفات ۱۲۰ھ لیکن اس میں اختلاف رائے ہے۔ دو شاگردوں قنبل اور البزی کے ذریعہ آپ کا طریقہ تجوید پھیلا۔

ابن ماجہ : ابو عبداللہ محمد ابن یزید ابن ماجہ القزوینی۔ حافظ قرآن و محدث و مورخ و صاحب تصانیف۔ خصوصاً حدیث میں آپ کی "سنن ابن ماجہ" شہرہ آفاق تصنیف ہے جو صحاح ستہ میں شامل ہے۔ ولادت ۲۰۹ھ/۸۲۴ء۔ وفات ۲۷۳ھ/۸۸۷ء

ابوالعالیہ : ابوالعالیہ رفیع بن مہران۔ جاہلیت کا زمانہ پایا اور آنحضرتؐ کی وفات کے دو سال بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ و دیگر صحابہؓ سے علمی استفادہ کیا۔ ثقہ تابعین میں شمار تھا۔ تفسیر میں خصوصی شہرت تھی۔ اکابر محدثین نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ بہترین حافظ تھے۔ ۹۰ھ میں وفات پائی۔

ابوھریرہؓ : عبدالرحمٰن بن صخر الازدی۔ جلیل القدر صحابی رسولؐ۔ طویل مدت تک آنحضرتؐ کی خدمت کی

سب سے زیادہ احادیث آپ سے ہی مروی ہیں ان کی بیان کردہ احادیث کی تعداد پانچ ہزار سے زائد ہے۔ ۵۹ھ/۶۸۹ء میں وفات پائی۔

ابراھیم بن یزید النخعی : ابو عمران ابراہیم بن یزید بن اسود نخعی۔ فضل و کمال کے لحاظ سے ابراہیم نخعی کوفہ کے ممتاز ترین تابعین میں تھے۔ بچپن میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔ حدیث کے ممتاز حافظ اور فقہ کے امام تھے۔ نہایت عابد و زاہد تھے۔ شہرت اور ریا کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ۹۶ھ میں وفات پائی۔

احمد ابن حنبلؒ : ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل۔ مشہور محدث و فقیہ۔ دیگر تصانیف کے علاوہ حدیث میں "مسند ابن حنبل" مشہور ہے۔ ولادت بغداد ۱۶۴ھ/۷۸۰ء وفات ۲۴۱ھ/۸۵۵ء

امام رازی : ابو عبداللہ محمد ابن عمر ابن الحسین فخر الدین رازی۔ لقب شیخ الاسلام۔ ولادت طبرستان ۲۵ رمضان ۵۴۴ھ/۲۳ جنوری ۱۱۵۰ء۔ وفات ہرات یکم شوال ۶۰۶ھ/۲۹ مارچ ۱۲۱۰ء۔ امام مفسر عالم معقول و منقول الٰہیات، فلسفہ، عربی و فارسی میں کئی تصانیف مثلاً مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)، المحصول فی الفقہ، فضائل الصحابہ وغیرہ۔

ثوبانؓ : ابو عبداللہ ثوبان۔ یمن کے حمیری خاندان سے تعلق تھا۔ ثوبان غلام تھے جنہیں آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا کہ چاہو تو اپنے خاندان والوں میں چلے جاؤ اور اگر چاہو تو میرے ساتھ رہو تو میرے اہل بیت میں تمہارا شمار ہوگا۔ چنانچہ ثوبانؓ ہر وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہنے لگے اس طرح خادم خاص تھے۔ اس تقرب کی وجہ سے انہیں استفادہ کا زیادہ موقع ملا۔ چنانچہ (۱۲۷) احادیث ان سے حدیث کی کتابوں میں مروی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد جو جماعت صاحب علم و افتا تھی اس کے ایک رکن ثوبان بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ سے شام چلے گئے اور رملہ میں سکونت اختیار کی اور یہیں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

زمخشری : ابوالقاسم محمود بن عمر ابن محمد ابن عمر الخوارزمی الزمخشری۔ حنفی معتزلی، مکہ میں قیام کی وجہ سے جار اللہ (اللہ کا پڑوسی) کے لقب سے مشہور ہوئے۔ فن تفسیر میں امام اور حدیث، نحو، لغت اور ادب میں عدیم المثال۔ ولادت زمخشر ۲۷ رجب ۴۶۷ھ/۱۸ مارچ ۱۰۷۵ء۔ وفات جرجانیہ خوارزم ۹ ذوالحجہ ۵۳۸ھ م ۱۳ جون ۱۱۴۴ء۔ متعدد تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل۔

شھاب الدین سھروردی (شیخ اشراق) : شہاب الدین یحییٰ بن حبش بن امیرک ولادت ۵۴۹ھ/۱۱۵۴ء مراغہ میں فلسفہ و تصوف کی تعلیم پائی پہلے اصفہان پھر بغداد و حلب میں قیام کیا۔ فلسفہ میں ارسطاطالیس اور ابن سینا کے متبع تھے۔ انہوں نے فلسفہ، مذہب اور تصوف کو ملا کر ایک نیا نظریہ مذہب و اخلاق پیش کیا اور افلاطونیت جدیدہ (Neoplatonism) کو نیا رنگ دے کر فلسفہ کی جدید راہ پیدا کی جسے حکمت اشراق کہتے ہیں۔ اسی لئے انہیں جماعت اشراقین کا بانی کہا جاتا ہے۔ ان کی مشہور کتب "حکمۃ الاشراق" اور "ہیاکل النور" ہیں۔ ان عقائد کی وجہ سے علماء حلب کے احتجاج پر سلطان صلاح الدین کے فرزند الملک الظاہر نے ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں ان کو قتل کروادیا۔